قیمت: ۴۰ روپے

پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

1099

بدھ 27 ذوالقعدۃ 1445ھ مطابق 5 جون 2024

نیا موڑ

راندۂ درگارہ

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

پھوپھا سے پردہ فرض ہے:

سوال: عام رشتہ دار پھوپھا چچا ماموں سے پردہ ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوسرے رشتے دار جو عموماً گھر میں آتے جاتے ہیں زینت اختیار کیے بغیر سادہ لباس میں ان کے سامنے آنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز گھر سے نکلتے وقت جراب دستانے پہننا ضروری ہیں؟ (ہمشیرہ اقرار احمد)

جواب: پھوپھا سے پردہ فرض ہے۔ چچا ماموں اگر حقیقی ہوں یعنی والد والدہ کے سگے بھائی یا باپ شریک بھائی یا ماں شریک بھائی ہوں تو یہ محرم ہونے کے سبب پردہ سے مستثنیٰ ہیں، اور اگر دور کے ہیں مثلاً والدین کے چچازاد بھائی وغیرہ تو یہ نامحرم ہیں لہٰذا عام اجنبی مردوں کی طرح ان سے پردہ فرض ہے۔ چہرے کا پردہ تو ہر نامحرم سے ضروری ہے۔ اگر کوئی اس قسم کا مرد ہے جس سے بار بار واسطہ پڑتا ہے مثلاً دیور جیٹھ اگر اسی گھر میں مقیم ہیں تو عورت گھونگٹ نکال کر ان کے سامنے آ جاسکتی ہے۔ ضرورت کی حد تک بات بھی کرسکتی ہے۔ پردہ بہر حال ان سے بھی ضروری ہے۔ ان سے غیر ضروری میل جول بے محابا گفتگو جائز نہیں۔ حدیث میں ہے الحمو الموت کہ خاوند کے بھائی اور قریبی عزیز موت ہیں۔ یعنی عام اجنبی مردوں کی بنسبت زیادہ خطرناک ہیں۔ ان سے موت کی طرح دور رہو، جراب اور دستانے پردہ کا جز نہیں ہیں۔ اس لیے کہ قدم اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔

عورتوں کی جماعت:

سوال: میں پہلے تراویح کی جماعت کراتی تھی۔ صف کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھی لیکن جب یہ مسئلہ پڑھا کہ عورتوں کی جماعت مکروہ ہے تو جماعت چھوڑ دی۔ اور اکیلی اپنی تراویح پڑھنا شروع کر دی۔ میری والدہ کو اس کا افسوس ہوا اس لیے کہ وہ میری اقتداء میں تراویح پڑھتی تھیں، انھیں صرف چند چھوٹی سورتیں یاد ہیں۔ اس بارے میں رہنمائی کیجیے کیا عورتیں اگر پوری احتیاط برتتے ہوئے جماعت کریں مثلاً گھر کے بند کمرے میں، اور آواز بھی باہر نہ نکلے تو بھی جماعت کی گنجائش نہیں؟ جبکہ اس طرح منزل بھی پختہ رہتی ہے۔ (ہمشیرہ اقرار احمد)

جواب: جماعت خواہ عام نمازوں کی ہو یا تراویح کی اس کے احکام مردوں کے لیے ہیں۔ حافظہ عورت بھی دوسری عورتوں کی طرح تراویح اپنی انفرادی ادا کرے۔ قرآن یاد رکھنے کے لیے اس کی تلاوت کثرت سے جاری رکھیں۔ عورتوں کی جماعت بہر صورت مکروہ ہے۔ خواہ امام و مقتدی سب عورتیں ہی ہوں۔

جس کا کاروبار ناجائز ہو اس کی زمین سے انتفاع:

سوال: ہمارے پڑوسی ہیں، ان کا کاروبار تو صحیح ہے، لیکن انھوں نے زمین کسی سے لے کر کاشت کی ہے۔ جن کی زمین ہے وہ ناجائز کاروبار کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس زمین کی پیداوار سے ہمارے پڑوسی ہمیں کوئی پھل یا سبزی بھیج دیں تو ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زمین کے متعلق تحقیق کی جائے۔ اگر اصل مالک نے یہ حرام پیسے سے خریدی ہے تو پڑوسیوں سے پھل سبزی وغیرہ قبول کرنا جائز نہیں۔ اگر مالک کا کاروبار تو ناجائز ہے لیکن زمین موروثی ہے یا جائز پیسے سے خریدی ہے تو اس کی پیداوار کا استعمال جائز ہے۔ اگر زمین کے متعلق تحقیق نہ ہو سکے تو بھی پیداوار کا استعمال جائز ہے مگر احتیاط بہتر ہے۔

قضا نمازوں کے احکام:

سوال: جو نمازیں قضا ہو جائیں ان کے متعلق وضاحت کیجیے:

۱: وقتی نماز پہلے پڑھی جائے یا قضاء شدہ نماز؟ ۲: نماز فجر اور نماز عصر کے بعد قضا نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۳: اگر نماز ظہر قضا ہوگئی تو اس کی قضا دوسرے روز ظہر کے ساتھ ہی پڑھی جائے یا کسی دوسری نماز کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب: ۱: جس کی کوئی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی، یا پانچ سے زائد نمازیں قضا ہوئی تھیں اور وہ ساری پڑھ لیں، یا پانچ یا اس سے کم نمازیں قضا ہوئیں تو وہ صاحب ترتیب ہے۔ اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ جب تک قضا نمازیں نہ پڑھ لے اس کی وقتی نماز جائز نہیں، الا یہ کہ وقت تنگ ہو اور اختصار کے ساتھ بھی اس میں دو نمازیں پڑھنا ممکن نہ ہو تو ایسے میں صرف وقتی نماز پڑھ لے، یا بھول کر وقتی نماز پڑھ لی، پھر قضا نماز یاد آئی تو بھی وقتی نماز ہوگئی۔ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اور جس شخص کی چھ یا ان سے زائد نمازیں قضا ہوئیں وہ صاحب ترتیب نہیں۔ قضا نماز یاد ہوتے ہوئے بھی وہ وقتی نماز پڑھ سکتا ہے۔ قضا نمازیں پڑھنے کے بعد یہ صاحب ترتیب بن جائے گا۔

۲: پڑھی جاسکتی ہے۔ حتی الامکان تنہائی میں پڑھے تاکہ دوسروں کے سامنے گناہ کا اظہار نہ ہو۔

۳: اگر صاحب ترتیب ہے تو قضا نماز عصر سے پہلے پڑھنا ضروری ہے، ورنہ عصر جائز نہ ہوگی، اور صاحب ترتیب نہیں تو جب چاہے پڑھے لیکن بہتر ہے کہ جس قدر ممکن ہو جلد پڑھی جائے۔ یہ صحیح نہیں کہ چوبیس گھنٹے انتظار کیا جائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن

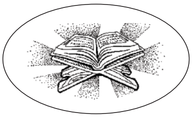

خدا کی رحمت کے امیدوار

جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لیے وطن چھوڑ گئے اور کفار سے جنگ کرتے رہے، وہی خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور خدا بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

(سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۸)

الحدیث

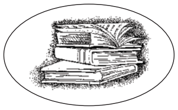

اُمید اور خوف

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جوان کے پاس تشریف لے گئے جس پر حالت نزع طاری تھی، آپ نے اس سے پوچھا کیا امید رکھتے ہو؟ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم، میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میرے گناہ معاف کردے گا اور مجھے جنت میں داخل کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جس قلب میں امید اور خوف دونوں جمع ہوں وہ ضرور نجات پائے گا۔‘‘

(ترمذی)

سن کر آؤ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بچوں کے استحصال اور انھیں اپنے کسی بھی مقصد کے لیے ''استعمال'' کی شناعت پر باتیں ہوتی رہتی ہیں، مگر اس سلسلے میں بہت کم کسی کی نگاہ خود والدین کے ہاتھوں ہونے والے بدترین استحصال پر جاتی ہے۔

حیرت اس بات پر ہے کہ ہر دوسرے گھر میں والدین کے ہاتھوں مختلف طریقوں سے اپنے ہی بچوں کا استحصال ہوتا ہے لیکن لوگوں کو نظر نہیں آتا۔

ایک تو شاید اس لیے کہ ہم عموماً جب والدین کی بات کرتے ہیں تو لاشعوری طور پر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ تو اپنے بچوں کے حق میں غلط ہو ہی نہیں سکتے، اس لیے کچھ غلط دیکھ کر بھی ہمیشہ کوئی اچھی سی تاویل کر لیتے ہیں۔

مثبت رہنے اور دیکھنے کی یہ ''کوشش''، بچوں کی طرف سے تو چلیں کچھ سمجھ میں آتی ہے کہ ان پر والدین کا حق ہے، مگر تجزیہ کرنے والوں کو بہر حال آنکھیں بند نہیں کرنی چاہییں بلکہ دیانت اور سچائی کے ساتھ تجزیہ کرنا چاہیے تاکہ وہ اچھے طریقے سے لوگوں کی توجہ ان باتوں کی طرف دلا سکیں۔

توجہ نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ والدین کی طرف سے اپنے ہی بچوں کا استحصال اور استعمال کچھ مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، اس لیے بھی عام طور پر کسی کی توجہ نہیں ہوتی، یا لوگ ان باتوں کو استحصال سمجھتے ہی نہیں۔

مثلاً جیسے پچھلے دنوں ایک بہن نے خواتین کا اسلام میں اپنی روداد ''پہلا سبق'' میں لکھا کہ بچوں کو گھریلو سیاست میں استعمال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ذرا کھیلنے کے بہانے سن کر آؤ کہ دادی یا پھوپھو یا چچی تائی کیا باتیں کر رہی ہیں؟

اور جو بچہ ''مطلب کی باتیں'' زیادہ لے کر آئے تو اسے شاباشی اور انعام دیا جاتا ہے۔

اسی طرح محلے کے گھروں کی باتیں اُن سے کرید کرید کر پوچھی جاتی ہیں اور پھر اس بات پر ان کی تعریف کی جاتی ہے کہ ماشاءاللہ کتنا ہوشیار ہے میرا بچہ!

کیا یہ چیز بچوں کا استحصال اور ان کا نہایت غلط ''استعمال'' نہیں ہے؟

یقیناً ہے۔

ایسے بچے پھر واقعتاً بہت جلد ''ہوشیار'' ہوجاتے ہیں، اتنے کہ اپنے والدین کے بھی کان کترنے لگتے ہیں۔

چونکہ ایسے بچوں کو شاباشی کی لت لگ جاتی ہے اور ''انعام'' کا لالچ بھی تو وہ اپنی طرف سے ایک بات میں دس باتیں خود سے ملا کر سنانے لگتے ہیں۔

یعنی ایسے بچے کن سوئیاں لیتے لیتے نہ صرف چغلیاں کرنے میں طاق ہوجاتے ہیں بلکہ جھوٹی باتیں گھڑنے میں بھی۔ نیز پھر یہ بے چارے ساری زندگی ہی لوگوں کے عیوب ڈھونڈتے رہتے ہیں، بے جا تجسس میں رہتے ہیں، لگائی بجھائی کرتے رہتے ہیں۔

آئینہ گفتار

بڑے ہوکر یہ گھروں اور خاندانوں ہی میں نہیں جس شعبے میں بھی جاتے ہیں، وہاں ایک فساد مچائے رکھتے ہیں۔ انھی کی وجہ سے گھر، خاندان، ادارے ٹوٹتے ہیں، اور خود ان کی اگلی نسل بھی برباد ہوتی ہے۔

الا یہ کہ انھیں کوئی مسیحا مل جائے جو نرمی سے ان کی اصلاح کر دے۔

اپنے ہی بچوں کے استحصالات کی اور بھی مثالیں ہیں، جن کا جائزہ ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی تحریروں میں، قصہ مختصر یہ کہ براہِ کرم اپنے بچوں کے معصوم بچپن کو اپنی سفلی خواہشات کی بھینٹ مت چڑھائیے۔ ان کی نفسیات کو پراگندہ نہ کیجیے۔ رشتے داروں سے آپ کی کتنی ہی ناراضیاں ہوں، بچوں کو اس سب سے دور رکھیے تاکہ ان کا بچپن خوبصورت رہے۔ پیارے رشتوں دادی، پھپھو، چچی تائی اور ان کے بچوں یعنی اپنے کزنز کے ساتھ ان کی بچپن کی یادیں تاعمر انھیں خوشگوار احساس دلاتی رہیں۔

والسلام

مدیر مسئول

محمد فیصل شہزاد

ڈھاکہ

مرسلہ: نورین نجم، کراچی

ڈھاکہ بنگلہ دیش کا دارالحکومت جس کی بنیاد ۱۶۰۸ء میں رکھی گئی، ۲۸ مربع میل کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں یہاں پرتگیزیوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں نے کئی کارخانے قائم کیے۔ گھریلو صنعتوں میں ڈھاکہ اپنی مثال آپ ہے۔ نفیس ململ کے لیے ڈھاکہ کی شہرت ہمیشہ مسلمہ رہی ہے۔ یہ سوتی ساڑھیوں اور پٹ سن کی قالینوں کی صنعت کا اہم مرکز ہے۔ کٹھل، پلول اور اناناس یہاں کی خاص سوغات ہیں۔ مچھلی یہاں کے لوگوں کی غذا کا اہم جزو ہے۔

مدیر اعلیٰ: مفتی فیصل احمد | مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیر مسئول: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے، دو میگزین 28000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر خواتین کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

قانتہ رابعہ

راندۂ درگاہ

"میری نیند کا تو تمھیں پتا ہی ہے کتنی کچی ہے، بستر کے قریب سے بلی بھی دبے پاؤں گزرے تو آنکھ کھل جاتی ہے۔" سارہ نے اپنی سہیلی صوما سے کہا۔

"تمہارا اپنا بیڈ ہے؟" صوما کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"ہاں تو کیا ہوا۔ بھئی ذاتی بیڈ روم ہے میرا، ڈریسنگ اور بیڈ کے علاوہ کئی طرح کے ریکس اور وارڈ روب بھی ہیں اس میں، لو یہ...... یہ دیکھو!"

پلک جھپکنے میں اس نے موبائل اسکرین پر انگلی پھیری اور اس کا بیڈ روم سامنے آ گیا۔

پرپل پینٹ، پرپل بیڈ شیٹ، پرپل پردے۔

صوما گم صم سی ہوگئی۔

"ارے تمھیں کیا ہوا صومی، میرا پرپل کمرہ اچھا نہیں لگا؟"

سارہ نے اسے گم صم دیکھ کر پوچھا۔

"یہ اب پانچ سات منٹ ایسے ہی غوطہ لگائے گی چپ کے دریا میں۔" حمنہ نے کہا۔

"اس بے چاری کا گھر چھوٹا سا، اوپر سے چار فیملیز، بس یار اب اس کے دکھڑے نہ سننے بیٹھ جانا۔"

حمنہ نے نئی نویلی مشترکہ دوست سارہ کو صوما کے بارے میں بتایا کیا۔"

تم تو یار! جمعہ جمعہ آٹھ دن پہلے ہماری دوست بنی ہو تمھیں اس نے کیا انوائیٹ کرنا تھا۔ ہمیں دیکھو دوستی کے نام پر پچھلے چودہ سال سے ایک دوسرے سے نتھی ہیں، اس نے مگر ہمیں آج تک اپنے گھر میں نہیں بلایا۔

"جہاں بڑے گھر یا بیڈ رومز کی بات ہوتی ہے یہ یونہی چپ شاہ کی بکل مار لیتی ہے۔"

"اوہ تو کیا ہوا یار! ایسی بھی کیا بات ہے، گھروں سے کیا ہوتا ہے چھوٹے ہوں یا بڑے، بس سب اچھے ہوں، دل ملے رہیں۔"

سارہ نے اسے دادیوں کی طرح نصیحت کی۔

"کیوں؟ گھروں میں کچھ کیوں نہیں رکھا ہوتا؟ میں کہتی ہوں سارا کچھ گھروں ہی میں تو رکھا ہوتا ہے۔ گھر کشادہ ہوں تو بہت سے معاملات سلجھے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں دو کمرے نیچے تین اوپر ہیں، دادا دادی، تایا ابو، تائی جی، چاچا جی، چاچی جی ان دونوں کے دس دس بچے، ہمارا پانچ افراد پر مشتمل گھرانا، چھوٹی پھوپو جن کی شادی نہیں ہوئی سب اس چار فٹ کے ڈربے میں رہتے ہیں۔ مہمان اول تو رہنے کے لیے آتے ہی نہیں بالفرض آ بھی جائیں تو باورچی خانے تک میں بستر ڈلوا دیا جاتا ہے۔ دادا ابو کا مستقل ٹھکانا ڈرائنگ روم ہے صوفہ کم بیڈ پر، جو صوفہ تو خال خال ہی بنتا ہے بس بیڈ کا کام دیتا ہے۔ پھوپو کی چارپائی اسٹور روم میں ہے۔ پاؤں اٹھاؤ تو ڈر لگتا ہے کوئی بچہ ہی نہ نیچے آجائے، ماشاء اللہ چودہ پندرہ ہر سائز اور عمر کے بچے ہیں۔"

"ارے واہ! کیا مزے کا سین ہے یار! مجھے تو سن کر ہی مزا آ رہا ہے۔ کتنی رونق ہوتی ہوگی تمھارے گھر میں؟ لڑائی، مار کٹائی ہنسی مذاق سب سلسلے ایک ہی وقت میں چلتے ہوں گے، ہائے صوما!"

سارہ چٹخارہ بھرنے کے انداز میں بولی۔

"خاک مزا ہے۔ پرائیویسی کے نام پر کوئی جگہ نہیں۔ یہاں تک کہ واش روم میں بھی پردہ لٹکا کر پورشن بنا دیا کپڑے بدلنے والوں کے لیے، وگرنہ اسکول جانے والے بچوں کو صبح روزانہ دیر ہو جاتی تھی۔ شلوار پہنی ہے تو قمیص نہیں پہن سکے اور رکشہ کی پوں پوں طوفان کھڑا کر دیتی تھی گلی میں۔" صوما نے تپ کر کہا۔

"زبردست، یعنی واش روم میں بھی بندہ دوسراہٹ کا مزا لیتا ہے۔" سارہ ہنسی۔ "مجھے دیکھو پورے کنال کے گھر میں ماما اور میں ہوتے ہیں بس، بابا ویک اینڈ پر آتے ہیں، خالی ڈھنڈار گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے، آئینہ بھی اپنا عکس دکھاتا ہے۔"

سارہ لمحہ بھر کو سنجیدہ ہوئی۔

"تمھارا تو خیر اسپیشل کیس ہے۔ ہر کسی کا یہ معاملہ نہیں ہوتا۔ بات تو ہم جیسوں کی ہے۔ جو کماتے ہیں، سب کھانے پینے میں لگا دیتے ہیں، صبح فجر سے پہلے چولھا جلتا ہے اور رات گئے تک جلتا ہی رہتا ہے۔ ایک سیکنڈ کے لیے جو مجال ہے بند ہوتا ہو۔ نانی بے چاری آئی تھیں تو یہی کہتی تھیں کہ اے رضوانہ! اس دکھیا چولھے کو تو کبھی سانس لینے دیا کرو۔ عید بقرعید ہو یا عام دن، اس بے چارے کے تو سارے دن ایک جیسے ہیں۔

چائے تک پندرہ کلو والے پتیلے میں بنتی ہے۔ چاول پکیں گے تو وہ دیگ میں، پڑوسیوں کی بھینس کا سارا دودھ ہم لیتے ہیں۔ مغرب سے پہلے ہی دودھ کا برتن خالی ہو جاتا ہے۔"

صوما نے سارہ کو کرارا جواب دیا۔

"واؤ کیا کمال کی زندگی ہے یار! ایسا تو ناولوں ہی میں پڑھا ہے میں نے۔ کتنی ناشکری ہو۔ گھر چھوٹا ہے تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے سہولتیں تو وافر دے رکھی ہیں۔"

سارہ نے صوما کی طبیعت صاف کی۔

"سہولتوں اور رشتوں کا کیا اچار ڈالنا ہے؟ کھا کھا کر دنیا سے چلے جاؤ۔ آگے تو دو گز کی ہی قبر ملے گی، دنیا میں بھی دو گز کی قبر پر اکتفا کریں کیا؟ ہم سارے بہن بھائی چاہتے ہیں بڑا سا گھر، بہت سارے کمرے مگر دادا جی کہتے ہیں کہ میری زندگی میں تو اکٹھے ہی رہنا ہوگا، بعد میں بھلے قبرستان سے واپس آتے ہی الگ الگ ہو جانا۔ منجھلی پھپھو کی شادی ہوئی ساتھ میں چھوٹے چاچا کی، ایک فرد گیا ایک آیا، کوئی فرق نہیں پڑا، بس دادی جی کے کہنے پر تیسری منزل پر چاچی جی کا کمرہ بنوا دیا۔ منزلوں پر منزلیں بناتے جاؤ۔ ایک پر تایا جی ایک پر چاچا جی، گویا گھر نہ ہوا قفس ہو گیا۔ پرانا محلہ نہیں چھوڑنا، حد ہوگئی حد۔"

صوما صدمے سے بولتی جا رہی تھی۔ مجلس تو برخاست ہوگئی مگر صوما اور سارہ دونوں کے دلوں میں حسرتیں زیادہ کر کے...... !

ایک کی آنکھ نم تھی کہ قدرت نے اتنے بڑے گھر میں مکینوں کے نام پر آزمایا۔ ایک کا دل جلا تھا کہ افراد زیادہ ہوں تو روایات کو گلے نہیں لگاتے، عزت اور خوشی کے ساتھ الگ کر دیتے ہیں۔

☆......☆

بی ایس ختم ہونے کو تھا۔ آخری سمسٹر کے آخری دن تھے۔ اسائنمنٹ کے نام پر

خوب دوڑیں لگ رہی تھیں۔ ایک مکمل ہوتی، جمع کروا کے فرصت نہ ملتی کہ دوسری تیار کرنے کا پیغام مل جاتا۔ اسی بھاگ دوڑ اور امتحانات کے اختتام نے ان سب سہیلیوں کو جدا کر دیا۔ حمنہ، صوما اور شفق تو ہمیشہ سے ساتھ تھیں بس صرف سارہ نئی تھی مگر ہنس مکھ، دل موہ لینے والی عادات کی مالک۔

آخری دن کینٹین میں پارٹی رکھی گئی۔ کھانے پینے کی سب شوقین تھیں مگر کھانے پکانے کا علم ان چاروں میں سب سے زیادہ صوما کو تھا۔

”یار! بریانی دم پر رکھتے ہیں تو تیل میں زیرے کا بھگار کرتے ہیں۔ چاول ابالو تو سرکے کا ایک چمچ یا لیموں کاٹ کر ڈالنے سے چاول چمک دار بنتے ہیں۔ مٹن پلاؤ میں سونف ضرور شامل کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔“

اور سارہ آنکھیں پھاڑ کر اسے سن رہی تھی۔

”یار! تمھارے ہاں یہ سب کچھ بنتا رہتا ہوگا ناں تو تمھیں علم ہے۔ ہمارے ہاں تو اکثر بازار سے آجاتا ہے۔ دو ہی تو لوگ ہیں ہم۔“

”ہاں تو موسم کی سوغات سب سے پہلے ہمارے گھر میں پکتی ہے۔ کریلے مارکیٹ میں بعد میں آتے ہیں پہلے ہمارے باورچی خانے میں بوری بھر کے آتے ہیں۔ تایا جی کو قیمہ بھرے کریلوں کا جنون ہے۔ دادا جی ساتھ میں دہی کی لسی ضرور بنواتے ہیں اور پودینے کی چٹنی تو روز کے روز ڈونگے بھر بھر بنتی ہے۔ بس دیکھ دیکھ کر بلکہ سن سن کر بہت کچھ پتا چل گیا۔ اصل میں دادیاں نانیاں بھی کسی گوگل سے کم تھوڑا ہوتی ہیں۔“

صوما قہقہہ مار کر ہنسی۔ یونہی ہنستے مسکراتے سب یونیورسٹی سے فی الوقت وداع ہوگئیں۔

☆......☆

سارہ کا رشتہ بچپن ہی سے ماموں زاد سے طے تھا جو ساؤتھ افریقہ کے کسی ملک میں مقیم تھے۔ رزلٹ سے پہلے ہی وہ میکے سے کیا پاکستان سے ہی رخصت ہوگئی۔ حمنہ اور شفق بھی آسمان پر طے کیے جوڑوں میں سے منتخب ہوگئیں بس صوما باقی تھی۔ رشتے اس کے بہت تھے لیکن اس کی بس وہی طوطے کی رٹ تھی کہ بڑا سا گھر ہو۔ بالآخر بڑے سے گھر والا رشتہ بھی مقدر نے بھیج دیا جب اس کی تائی جی نے آ کے دونوں بازوؤں کو اخیر حد تک پھیلا پھیلا کر بتایا:

”اتنا بڑا کمرہ ہے دولھا میاں کا اور گھر تو ہمارے محلے کے سات گھروں کو ملا کر بھی آدھا ہو پائے۔“

بڑے گھر کی خوشخبری کیا ملی دعاؤں کا سارا رخ ہی اُدھر ہو گیا اور پھر بہت جلد دولھا میاں کا اتنا بڑا بیڈروم صوما کی شراکت میں بھی آ گیا۔

بڑے سے گیراج اور گیٹ وے پر قدم رکھ کر صوما نے ساس سسر کا سوچا نہ خوابوں کے راجے مہاراجے کا بس یہی کہ اللہ اتنا بڑا گیراج......! اتنے میں تو ہمارا سارا گھر سما جائے۔

بڑے سارے لاؤنج میں ایک گھنٹہ بیٹھنے کے بعد وہ اپنے بیڈروم میں لے جائی گئی۔ واقعی تائی جی نے ٹھیک کہا تھا، ڈبل بیڈ ڈریسنگ، صوفے کے بعد بھی بہت کھلی جگہ تھی۔ ایسے ہی خیال آیا ہر سال جڑواں بچے ہوئے تو بھی چار پانچ سال تک تو یہ کافی رہے گا!

لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ تھی کہ اس کا دولھا عمیر وقاص اندر داخل ہوا۔ پیشہ تو ڈنگر ڈاکٹر تھا مگر ساری جمالیاتی حس انسانوں والی تھیں۔ بہت سوفٹ، باوقار شخصیت۔

اگلی رات ولیمے میں اس کا جگمگاتا چہرہ، میاں کی محبتوں کی کہانی کا عکس بن گیا تھا۔ حمنہ اور شفق بھی موجود تھیں۔ سارہ کی ویڈیو کال پر چند سیکنڈ بات ہوئی۔ سب بہت خوش تھیں۔ واقعی من کی مراد سچی ہو تو مل ہی جاتی ہے......!

ایک دو نہیں پورے سات اضلاع دور صوما کی سسرال تھی۔ اس کی شادی کے بعد دادا جی اللہ کو پیارے ہوئے۔ عدت مکمل بھی نہ ہوئی کہ دادی جی بھی رخصت ہوئیں۔ بہت سلوک اتفاق کے ساتھ گزرے برسوں کے اچھے بندوں پر اچھے اثرات پڑتے ہی ہیں۔ محبتوں بھرے دلوں کے ساتھ اب سب الگ ہو گئے۔

صوما کے والد نے بھی قریب ہی نئی کالونی میں گھر کرائے پر لے لیا۔

صوما کے پے در پے دو بچے ہوئے، تیسرا چند لمحوں کے لیے دنیا میں آیا اور اس کی چکاچوند سے آنکھیں موند لیں۔ صوما کے تایا، چاچا، بھائی بہن سب کوچ کروا کے آئے، دلاسا دیا۔ کھانا کھایا اور سر پر ہاتھ پھیر کر واپس چل دیے۔ بس امی رہ گئی تھیں بیٹی کے پاس۔ پہلے کبھی آنے رکنے کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا۔ اب قدرت کھینچ کے لے ہی آئی تو رک گئیں۔

دو دن، چار دن، ہفتہ بھر رہنا پڑا۔ بہت سی ایسی چیزیں سامنے آئیں جن کا اُن کے گھرانے میں تصور بھی نہ تھا مگر بیٹی کی ماں تھیں چپ رہیں۔ ویسے بھی عادتیں تو ہر کسی کی ایک دوسرے سے الگ ہی ہوتی ہیں۔

آتے ہوئے بیٹی کو ڈھیروں تسلی دلاسے کے الفاظ کے ساتھ بیگ میں لمبے سفر کے لیے رکھے بسکٹ کے پیکٹ، نمکو قسم کی چیزیں بھی دے آئیں!

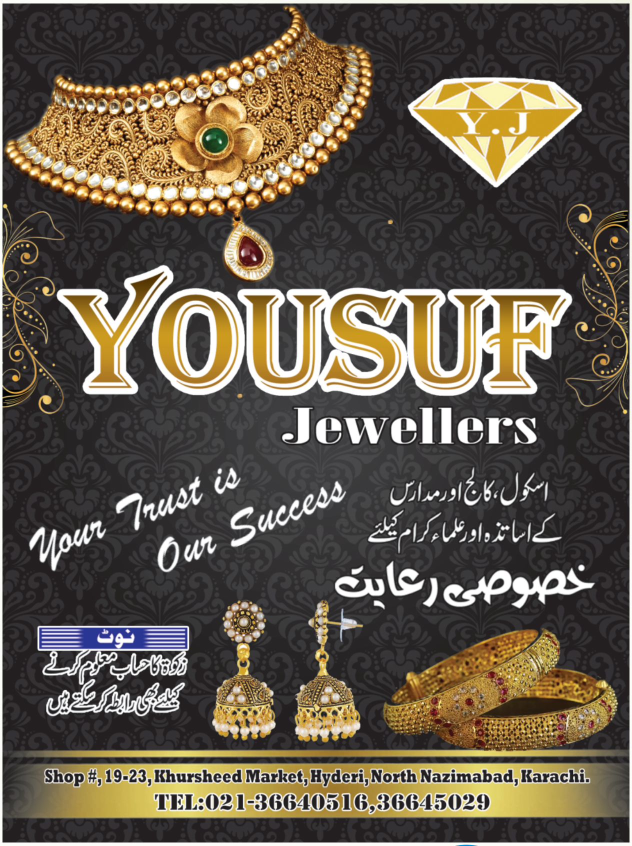

صوما کے بھائی کی شادی حمنہ کی چچازاد سے طے ہوئی تھی۔ میکے آتے ہوئے پتا چلا کہ ان دنوں سارہ بھی پاکستان آئی ہوئی ہے۔ اس کے آنے کی خبر سنتے ہی تینوں سہیلیاں ملنے آگئیں۔ ان سب میں بس ایک صوما تھی جو گم صم تھی باقی چہک رہی تھیں۔ بچے کو دنیا سے گئے بھی سات آٹھ ماہ ہو چکے تھے۔ جو بچے موجود تھے ماشاء اللہ بہت پیارے گل گوتھنے تھے۔

''میکے کی کون سی چیز سب سے زیادہ یاد آتی ہے۔''

یہ سوال شفق نے کیا۔

''اپنی مرضی سے سونا، اپنی مرضی سے جاگنا۔'' حمنہ جھٹ سے بولی۔ ''میکے میں رہتے ہوئے اندازہ ہی نہ تھا کہ یہ کتنی بڑی نعمت اور آزادی ہے۔ سسرال میں سوتے سوتے ایک ڈیڑھ بج جاتا ہے۔ باقی سب تو جلدی سونے کے عادی ہیں، مجھے دیر سے سونے کی عادت ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ سوئے ہوئے گھنٹہ ایک ہوتا ہے ساس کی آواز آتی ہے کہ پتر! ککڑ نے بانگ دے دی ہے، بس صبر کے گھونٹ بھر کے اٹھنا پڑتا ہے۔''

''مجھے تو سچی بات ہے تم لوگوں سے ملنا بہت یاد آتا ہے پردیس میں۔ کیا کچھ نہیں ہوتا بس سہیلیاں نہیں ہوتیں وہاں۔''

سارہ گنگنائی۔

''مجھے اپنا گھر یاد آتا ہے۔ اپنا چھوٹا سا گھر محبتوں کے خمیر سے گندھے وجود والے بڑے دل کے لوگ۔''

صوما نے کہا تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

ادھر اس کے چار سالہ جمع شدہ آنسو تیزی سے نکلنے لگے۔

''گھر بہت بڑا ہے۔ لوگ بھی بہت اچھے ہیں بس دل نہیں ملتے۔ عادتیں نہیں ملتیں۔''

صوما نے سسکی لی۔ ''ان چار پانچ سالوں میں ایک سا معمول، صبح اٹھ کے گرمیاں ہیں تو لسی بنانا پڑتی ہے۔ ایک ایک گلاس سب کو ملتا ہے۔ دہی اور اچار کے ساتھ پراٹھا، پھر شام میں روٹی سالن، کبھی عید، بقرعید پر سویاں یا چاول۔ میں تو ترس گئی ہوں کہ کھانے کی کوئی ترکیب آزماؤں مگر کیسے؟ سب کی پلیٹوں میں ناپ تول کر چاول، گن کر روٹی، دس پندرہ دن کے بعد چاول ابالے جاتے ہیں جو نمکین کھانا چاہے وہ اچار کے ساتھ کھائے جو میٹھے کھانا چاہے وہ شکر، چینی ڈال لے۔ اچار شکر کے مرتبان بھی ساس کے کمرے میں پڑے ہیں۔ ان چار برسوں میں تین دعوتیں ہوئیں تو میں نے پیاز کے بگھار والے چاول بنائے۔ پوچھا تھا کہ مٹر پلاؤ بنانا ہے یا چکن......؟ ساس نے کہا دماغ خراب ہے دو وقت کا خرچا ایک ہی وقت میں کر لیں کیا؟ بس نمک مرچ، گرم مسالا ڈال لو۔ سویاں ابالی جاتی ہیں اور سب کی پلیٹوں پر ایک ایک چمچ چینی کا ساس اپنے بابرکت ہاتھوں سے ڈالتی ہیں۔ اور یہ عیاشی بھی عید بقرعید ہی پر میسر ہوتی ہے۔ میں شکوہ نہیں کر رہی بس اپنی نادان سوچوں پر شرمندہ ہوں کہ گھروں کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھتی تھی۔ نعمت تو ہم آہنگی کو کہتے ہیں، سکون کو کہتے ہیں، جب وہی میسر نہ ہو تو چار کنال کا بنگلہ بھی پنجرہ ہوتا ہے۔ جہاں کھانے پینے پر روپیہ دھیلا نہ خرچ کیا جائے فخر یہ کہا جائے کہ کھاپی کر نکالنا ہی ہے تو کیوں نہ انسان کھائے ہی نا۔ میں دو ایک مرتبہ کھانے پینے کی چیزیں میکے سے لے کر گئی تو ساس نے کہا جو بہو بیٹیاں مل جل کر نہیں کھاتیں وہ بے نسلی ہوتی ہیں۔ لوگوں کے باورچی خانے بھرے ہوتے ہیں۔ ہمارا تو فریج بھی خالی۔ بس پانی کی بوتلیں یا کھانسی کا شربت! جو پکایا، ناپ تول کر پکایا اور کھایا۔ بازار سے منگوانے کا رواج نہیں۔ کبھی غلطی سے بازار سے دہی بھلے، پکوڑے قسم کی چیزیں لے آتی تو گوشمالی ہوتی تھی کہ ایسی فضول خرچیاں جو زبان کے چسکوں کی وجہ سے کی جائیں مرد کو کنگال کر دیتی ہیں......!''

''اور اگر مہمان آجائیں تو......؟'' حمنہ کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

''تو مہمانوں کے لیے گن کر بسکٹ منگوائے جاتے ہیں۔ سردی ہو تو اتنے ہی انڈے ابلے ہوئے۔ میزبان کو گنتی میں شامل کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔''

صوما تلخی سے بولی۔

''جب یہ سب مجھ پر بیتی ہے تو مجھے لگتا ہے میں دنیا کی سب سے زیادہ ناشکری انسان تھی جس کے گھر میں کبھی تول کر یا چن کر رزق تقسیم نہیں ہوا۔ موسم کی سوغات سب سے پہلے ہمارے ہاں آتی۔ کبھی دادی کہتیں کہ ''میاں جی! ذرا سستے تو ہو لینے دیتے مٹر دو سو روپے کلو ہیں تو دادا جی کہتے کہ الفت بیگم! کھاؤ بیو۔ رب نے مال میں سے کھانے پینے پہننے اوڑھنے کا حق رکھا ہے اور آگے بھیجنے کا، بس اور کسی کام کے لیے نہیں۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی فرمان ہے کہ بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ مال وہ ہے جو کھا لیا پہن لیا یا آگے بھیج دیا۔ باقی تو وارثوں کا ہی ہے۔ الفت بیگم وارث تو آنکھیں بند ہونے سے پہلے ہی آنکھیں بند کر لیتے ہیں پھر یہ دیکھو اس رزق کی وجہ سے کتنے فیض یاب ہو رہے ہیں؟ کتنے گھروں میں بھیجا جاتا ہے؟ رب کا شکر ادا کیا جاتا ہے!

ہاں مجھے معلوم ہے ہر دو گھروں میں طور طریقے رسم و رواج میں فرق ہوتا ہے۔ میرے سسرال والے بھی درست ہوں گے لیکن......''

صوما کا غم آنسو بن کر ٹپ ٹپ بہہ رہا تھا اور تینوں اس کے ماضی کو یاد کر رہی تھیں۔ بس بڑا سا گھر جس کا خواب تھا......! لیکن بعض اوقات اچھے خواب کی تعبیر اتنی اچھی نہیں ملتی۔ اس کا احساس صوما کو بھی تھا جو اپنی ناشکری اور نادانی پر رب سے معافی مانگ رہی تھی۔

''مجھے معلوم تھا کہ کچھ عرصے کے بعد ہمارے ہاں بھی حالات بدلیں گے، عادتیں طور طریقے بدلیں گے لیکن انسان غیب کا علم نہیں جانتا اس لیے بے صبرا ہو جاتا ہے جیسے میں ہو گئی تھی یا پھر...... یا پھر......''

اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھے۔ ایسا ہی کلام میرے رب نے بتایا ہے کہ ابلیس کو جب راندۂ درگاہ کیا گیا تو اس نے کہا کہ تُو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا، یہ کہہ کر اس نے اپنا شکار اور طریقہ واردات بتا دیا کہ پروردگار تیرے بندے کے پاس جو موجود ہو گا اسے اوجھل رکھوں گا اور جو موجود نہیں ہو گا، اسی کی حسرت میں مبتلا رکھوں گا، یہاں تک کہ وہ ناشکرا کہلانے لگے گا۔

میرے پاس تو دنیا کی ہر نعمت موجود تھی اس سے غافل کر دیا اور جو موجود نہیں تھا اسے میرا حاصل حصول بنا دیا۔ کیا میں بھی راندۂ درگاہ تو نہیں ہو گئی تھی؟ میں بھی عرش والے کے ہاں ناشکری تو نہیں کہلائی جانے لگی تھی؟ کیا یہ میری سزا کے طور پر تو نہیں؟''

صوما دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے رو رہی تھی لیکن اس کا رونا رب کو کتنا پیارا لگ رہا ہو گا یہ سوچ کر وہ تینوں دم بخود تھیں کہ اسے اپنی ناشکری کا احساس اسی چند روزہ زندگی میں ہو گیا۔ اسے ندامت بھی ہوئی اور توبہ کے لفظوں کا قیمتی اثاثہ بھی وافر تھا۔

☆☆☆

اُم محمد سلمان

نیا موڑ

زندگی آسان نہیں، اس میں بڑے بڑے امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ بعض امتحان اور حالات انسان کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ میں نے کبھی اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں بس اب تک سنا ہی تھا کہ زندگی میں کبھی کوئی ایسا موڑ آتا ہے جو انسان کو بالکل بدل کر رکھ دیتا ہے اور انسان اپنی ہستی کو فنا کر کے بالکل ایک نیا انسان بن جاتا ہے۔

یہ بھی ایک ایسے ہی شخص کی کہانی ہے جسے ہم بچپن سے جانتے تھے۔ زندگی کو کبھی سنجیدہ نہ لینے والے، ہنستے کھیلتے، موج مستی کرنے والے ہمارے دور کے ماموں ایاز صاحب۔

ہم نے کبھی انھیں نماز پڑھتے یا مسجد کا رُخ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک سنا کہ وہ عید بقر عید پر بھی شاذ و نادر ہی نماز پڑھتے ہیں۔ شادی ہوئی، بچے ہوئے، ایک متوسط سی فیملی تھی۔ ہم نے کبھی انھیں بیوی سے والہانہ محبت کرتے نہیں دیکھا۔ دونوں میاں بیوی میں اکثر لڑائی جھگڑے بھی ہو جاتے تھے جیسا کہ اکثر گھرانوں میں عام سی باتیں جھگڑوں کا سبب بنتی ہیں۔ شادی کو کئی سال گزر گئے۔ بیٹا پندرہ سولہ سال کا ہو گیا، بیٹی بھی تقریباً تیرہ چودہ سال کی ہو گئی۔ زندگی اپنے مدار میں رواں دواں تھی کہ اِس جھیل میں ایک پتھر بڑی زور سے آ کر گرا جس نے سب کچھ اتھل پتھل کر کے رکھ دیا......!

ایاز صاحب کی بیگم یعنی ہماری عذرا مامی کچھ عرصے سے بیمار تھیں اور اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت دینے میں ذرا تکلیف محسوس کرنے لگی تھیں۔ جب ان کے مختلف ٹیسٹ ہوئے تو ایک خطرناک رپورٹ سامنے آئی کہ وہ بریسٹ کینسر میں مبتلا ہیں اور کینسر کافی زیادہ پھیل چکا ہے۔ میاں، بچوں اور سب رشتے داروں پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ یہ کیا ہو گیا، کیسے ہو گیا، کیوں ہو گیا؟ پورے گھر پر موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ ہمیں خود سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انھیں کن الفاظ میں تسلی دیں مگر یہیں سے ان کی زندگی نے ایک نیا موڑ لیا، ایک نیا ذائقہ چکھا۔ رب کی قربت کا ذائقہ، اس کی محبت کی حلاوت اور مٹھاس کا ذائقہ۔

ان دنوں میں جب بھی ان کے گھر عیادت کے لیے جاتی تو عذرا مامی کے منہ سے اپنے شوہر کے لیے تعریفی کلمات ہی سنتی۔ وہ زبان جو پہلے ہمہ وقت شکوے شکایات سے بھری رہتی تھی، اب شوہر کی تعریف میں رطب اللسان رہتی۔ وہ اکثر کہتیں کہ وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ مجھے ذرا پریشان نہیں ہونے دیتے۔ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے۔ کہتے ہیں بس تم ٹھیک ہو جاؤ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ ہر وقت میرے آرام کی فکر رہتی ہے۔ میرے لیے راتوں کو جاگ جاگ کے تہجد پڑھتے ہیں، وظیفے کرتے ہیں، رو رو کر دعائیں مانگتے ہیں۔ سجدوں میں گرے رہتے ہیں۔ ایسی آہ و زاری سے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کہ ان کے رونے پر مجھے رونا آ جاتا ہے۔ مجھے اپنی زندگی سے پیار نہیں تھا مگر اب ان کے لیے جینے کو دل چاہتا ہے۔

مسلسل کیموتھراپی سے اُن کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ سر کے بال بالکل جھڑ گئے تھے، آنکھوں کی پلکیں اور بھنویں بھی غائب ہو گئیں۔ مسلسل الٹی اور متلی کی وجہ سے کچھ کھا بھی نہیں سکتی تھیں۔ بے حد کمزور ہو گئی تھیں مگر ماموں مسلسل ان کی دل جوئی میں لگے رہتے۔

بچے بھی ماں کے آرام کا بہت خیال کرتے۔ ہر طرح سے ان کا دل بہلانے کی کوشش کرتے۔ چھوٹی سی بچی جو ابھی تک ننھی گڑیا ہی بنی رہتی تھی اب اپنے کاندھوں پر گھر کا آدھا بوجھ اٹھائے ہوئے تھی۔ ماں سے پوچھ پوچھ کر ہانڈی بناتی، برتن دھوتی، چائے بناتی، صفائی کرتی۔ عیادت کے لیے آنے والوں کے لیے بار بار چائے بنانی پڑتی مگر کبھی پیشانی پر شکن نہ آتی۔ بس ہنستی رہتی اور بھاگ بھاگ کے کام کرتی رہتی۔

رشتے داروں نے بھی اس کڑے وقت میں خوب ساتھ نبھایا، جس سے جو بن پڑا اس نے کیا۔ آہستہ آہستہ اس بیماری نے مامی کو بھی رب کے قریب کر دیا۔ راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، بے چینی رہتی تو اٹھ کر اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتیں۔ نمازیں پڑھتیں، دعائیں مانگتیں، اپنے بچوں کے لیے روتی تڑپتیں کہ اے اللہ! ان بچوں کی خاطر مجھے زندگی اور صحت و عافیت سے نواز دے۔

فون پر اکثر بات ہو جاتی، تھوڑی دیر تو بڑے جوش سے بات کرتیں پھر اچانک کہتیں، بس میں تھک گئی ہوں اب مجھ سے بولا نہیں جا رہا، بس اب مجھ میں طاقت نہیں۔

پھر معلوم ہوا کہ آہستہ آہستہ بہتری کی طرف آ رہی ہیں۔

ایک دن اُن کے گھر گئی تو ایاز ماموں پر نظر پڑ گئی۔ وہ بالکل بدل چکے تھے۔ چہرے پر داڑھی کی رونق، سر پر ٹوپی جمائے وہ نماز کے لیے جا رہے تھے۔ عذرا مامی بتانے لگیں کہ عصر کی نماز پڑھ کے وہیں مسجد میں بیٹھے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، اب مغرب پڑھ کر ہی گھر آئیں گے۔ میری بیماری نے انھیں بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔ کسی وک یقین نہیں آتا کہ یہ وہی چھے سات ماہ پہلے والے ہیں۔ گھر میں ہوتے ہیں تو ہر وقت دین کی باتیں کرتے ہیں۔ فون پر بھی سب خرافات دیکھنا چھوڑ دیں، بس زیادہ تر علما کرام کے بیانات سنتے ہیں۔ کوئی آنے جانے والا ہوتا ہے تو اسے بھی نماز کی رغبت دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں کرتے رہتے ہیں بس، قرآن میں بیان کردہ واقعات اور قصے سناتے ہیں، جمعے کے خطبے، وعظ اور بیانات میں شرکت کرتے ہیں اور ہر نیک عمل کے بعد بس میری صحت کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں عذرا! تمھی تو اس گھر کی رونق ہو، میرے بچوں کی ماں ہو، اس گھر کی ملکہ ہو، تم بیمار پڑی ہو تو تمھاری قدر پتا چلی ہے۔ تمھارے بغیر تو زندگی ہی بکھر کر رہ گئی ہے میری۔ بس تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، مجھے اور بچوں کو تمھاری شدید ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عذرا مامی بہت جلد صحت یاب ہو جائیں، ان کے گھر کی رونقیں پھر سے بحال ہو جائیں۔ اس کڑی بیماری نے جو اُن کی زندگیوں میں نہایت خوشگوار بدلاؤ پیدا کیا ہے، رب کرے وہ مستقل ہو۔ ہمیشہ اپنے رب سے جڑے رہیں۔ وہی تو ہے جو اندھیروں میں روشنی کی کرن ہے، اپنے بندوں پر سب سے زیادہ مہربان ہے۔ اپنے کچھ بندوں کو وہ آزمائشوں کی بھٹی میں تپا کے انھیں کندن بنا دیتا ہے پھر اپنا بنا لیتا ہے۔ اللہ کرے وہ ہمارے ایاز ماموں اور ان کے خاندان کو ہمیشہ اپنا بنائے رکھے۔ ہمیشہ ان پر اپنی رحمتوں کی پھوار برساتا رہے۔ بہت قسمت کے دھنی اور بہت ہی سعادت مند ہوتے ہیں وہ لوگ جو مصائب میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور اپنے رب کو راضی کرنے کی فکر اور کوشش میں لگ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی بیماری اور آزمائش سے بچائے جو فساد برپا کرنے والی ہو بلکہ عافیت ہی رکھے۔ عافیت ہی سے اپنی طرف رجوع کرنے والا بنائے۔

☆☆☆

عقل اور نقل

اہلیہ راشد اقبال

آج حمیرا بہت خوش تھی، اس کے چار سالہ بیٹے عاصم کا اسکول میں آج پہلا دن تھا۔ بڑی محبت اور اہتمام سے اس نے عاصم کو تیار کیا۔ اسکول لنچ اپنے ہاتھوں سے بنا کر دیا اور بڑے ہی پیار سے تاکیداً کہا کہ پورا کھانا ہے واپس نہیں لانا۔

اسکول کے ساتھ ہی وہ مدرسے اور ٹیوشن کی بات بھی کر آئی تھی۔ اب چار سالہ عاصم کے کندھے پر پڑھائی لکھائی کی ذمے داری آ گئی تھی، مگر یہ مرحلہ تو طے کرنا ہی ہوتا ہے، حمیرا کا دل عاصم میں اٹکا ہی رہتا تھا، کیونکہ بڑی دعاؤں اور منتوں کے اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ اس کے بعد مزید کوئی اولاد نہ ہوئی۔ وہ اکلوتا ہی حمیرا اور سہیل کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہ بھی انتہائی خوب صورت اور ذہین تھا۔ سال بھر پہلے ہی حمیرا کی ساس کا انتقال ہوا تھا۔ سسر کی خدمت بھی وہ بڑے دل سے کرتی تھی۔ کوئی دیور، جیٹھ نہیں تھے۔ دو نندیں شادی شدہ اپنے گھروں کی تھیں، ایسے میں ایک ہی بچے اور سسر کی ذمے داری حمیرا پر تھی۔ کام کرنے والی ماسی آتی تھی۔ سہیل دفتر صبح کے گئے رات گئے ہی آتے۔ کام خوب اچھے انداز میں کرنے کے باوجود بہت سارا وقت بچ جاتا، جو اکثر سوشل میڈیا پر گزرتا۔ مختلف کوکنگ، سلائی کڑھائی، گھر کی ڈیزائننگ سے متعلق چینل وہ دیکھتی رہتی۔

اب جب سے عاصم بھی اسکول اور مدرسے جانے لگا، اسے گھر کاٹنے لگا، صبح ہی صبح سارے کام ختم ہو جاتے پھر کیا کرے؟ ادھر ادھر موبائل پر وہ بلا وجہ سب سے گپیں ہانکتی رہتی۔ دینی رجحان بھی کچھ خاص نہیں تھا کہ فرصت کو مشغولیت سے پہلے نعمت سمجھ لیتی۔ اٹھتے بیٹھتے بوریت کا راگ شروع ہو گیا۔ کبھی سوچتی کوئی ایکٹی ویٹی اپنا لے تاکہ کچھ اچھا اور مصروف وقت گزرے، مگر کسی بھی خاص شغل پر وہ مطمئن نہ ہو سکی۔

''سہیل! میں سوچ رہی ہوں اسکول میں جاب کر لوں۔''

بڑے دنوں کی ریسرچ کے بعد اس نے مطمئن ہو کر سہیل سے بات کی۔

''اسکول جاب!......مگر کیوں؟''

سہیل اس کی بے تکی فرمائش پر، سوالیہ نشان بن گیا۔

''گھر بیٹھے بیٹھے میں بالکل بور ہو جاتی ہوں، وقت گزارے نہیں گزرتا۔ ابا ناشتہ کر کے اپنے کمرے میں مصلّی لیے بیٹھے رہتے ہیں، عاصم اسکول، آپ دفتر، سارا گھر سمیٹنے، کھانے بنانے کے باوجود میرا دل گھبراتا ہے۔ اب سوچ رہی ہوں جاب کر لوں، وقت بھی اچھا گزرے گا، دو چار، پیسے بھی ہاتھ آ جائیں گے۔''

''میرے خیال سے پیسوں کی اتنی ضرورت نہیں ہے تمھیں، یہ فضول خیال دل سے نکال دو، تمھیں معلوم نہیں ہے یہ اسکول ٹیچرز گھر میں بھی ٹیچرز بنی رہتی ہیں اور یہ بہت ہی محنت اور ذمے داری والا کام ہے۔ بچوں کو پڑھا پڑھا کر تم تھک جاؤ گی اور تمھارا یہ کھلا کھلا چہرہ مجھے دیکھنے کو نہیں ملے گا، ایک استانی جی کا رعب دار چہرہ......نہ بھئی نہ۔''

شرارت سے مسکراتے ہوئے سہیل نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''ارے بھئی نہیں ناں! میں آپ کو ہمیشہ ایسے ہی مسکراتے ہوئے کھلی کھلی ہی ملوں گی، پلیز اجازت دے دیں ناں!''

''نہ بھئی! میری اجازت نہیں، تم کوئی آن لائن کام جوائن کر لو، اتنی خواتین کرتی ہیں گھر ہی میں رہ کر، بہت اچھا کام مل جاتا ہے۔''

''ہوں......سوچا تھا، مگر جس کو دیکھو، آن لائن کام میں کبھی کچھ بیچ رہا ہے کبھی کچھ، آن لائن کام میں نام اور کام بنانا اتنا آسان نہیں ہے اور ویسے بھی میں گھر ہی پر تو بور ہوتی ہوں، تھوڑا باہر نکلوں گی تو چینج ملے گا ناں۔''

''بھئی میری طرف سے تو نہ ہے، بس مابدولت کی خدمت کرو، اسی میں تمھاری سعادت ہے۔'' سہیل نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے سر جھکایا پھر بولا: ''ایک کپ چائے ملے گی؟''

''لاتی ہوں!'' حمیرا تذبذب کا شکار ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆

دن یوں ہی گزرتے رہے۔ عاصم دوسری کلاس میں آ گیا۔ ابا بھی آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ گھر میں کچھ اور بھی سناٹا ہو گیا۔ مزید اولاد کی خواہش بھی پوری نہ ہو سکی۔ حمیرا کو اکیلا پن اب کھانے لگا۔ سہیل کو اس بات کا احساس تھا، وہ جیسے ہی دفتر سے آتا تو اسے ضرور کہیں نہ کہیں گھمانے لے جاتا۔ کبھی پارک، کبھی ریسٹورنٹ، کبھی کسی رشتے دار کے گھر یا پھر کبھی یوں ہی چہل قدمی کو نکل پڑتے۔

☆......☆

خاصی بوریت کے ساتھ حمیرا واٹس ایپ گروپ کے میسجز پڑھنے میں مصروف تھی۔ بوریت دور کرنے کے لیے اور اپ ڈیٹ رہنے کے لیے، اس نے اچھے خاصے گروپ جوائن کر لیے تھے۔ ہیومن رائٹس کے ایک گروپ پر اس کی نظر جم گئی، جس میں بڑے خوب صورت انداز میں لکھا تھا:

''اگر آپ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو فلاحی کاموں میں ہمارے ساتھ ضرور حصہ لیجیے، ہم ہیومن رائٹس کو پروموٹ کرتے ہیں۔ یہ ایک نیکی کا کام ہے، دو سے تین گھنٹے، لوگوں کے مسائل سنیے، ان کے مددگار بنیے، اس سلسلے میں ہمارا ادارہ جوائن کریں ایک شناخت کے ساتھ، اس سلسلے میں اچھا خاصا معاوضہ بھی دیا جائے گا، کم وقت میں بہترین نیکی اور معاوضہ بھی خوب، آئیے ہمارے ادارے کا ساتھ دیجیے۔

حمیرا کو یہ کام بہت اچھا لگا، ویسے بھی فلاحی کام کا اسے شوق تھا۔

اس دن تو وہ سہیل کے سر ہی ہو گئی کہ اسے فلاحی ادارہ جوائن ہی کرنا ہے۔ صرف تین چار گھنٹے کی بات ہے۔ نیکی و بھلائی کا کام ہے۔ دوسروں کے کام آنا ثواب کا کام ہے، پھر اس کو مصروفیت بھی مل جائے گی، زیادہ لمبا چوڑا کام بھی نہیں۔

سہیل اس کی ضد و جوش کے آگے خاموش ہو گیا، پھر اس بات پر راضی ہو گیا کہ وہ خود کو تھکائے گی نہیں اور گھر بالکل ڈسٹرب نہیں ہو گا، عاصم کی ذمے داری میں کوئی کوتاہی نہیں ہو گی۔

حمیرا بہت خوش تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ یہ سارے کام تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، وہ بآسانی سب ذمے داری نبھا سکتی ہے۔ اس نے اپنی سی وی بھیج دی جو فوراً منظور کر لی گئی۔

اس نے صبح کے وہ چار گھنٹے چنے، جب گھر میں کوئی نہ ہوتا تھا۔ وہ بآسانی چلی جاتی اور آ جاتی۔ کام اس کو بڑا آسان اور اچھا لگا۔ حمیرا ایسے لوگوں کا ڈیٹا جمع کرتی، جو پریشانی میں مبتلا

ہیں، ان کو مالی معاونت فراہم کی جاتی۔ گھریلو ظلم وتشدد کی جو خواتین شکار ہیں، ان کو ہیومن رائٹس کے (انسانی حقوق) بارے میں بتایا جاتا کہ وہ بھی ایک انسان ہیں اپنے حق کے لیے ضرور آواز اٹھائیں، انھیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ جسمانی، ذہنی تشدد برداشت کریں۔

ایسے خاندانوں اور مردوں کے خلاف رپورٹ کریں۔ سوشل میڈیا پر انٹرویو دیں۔ ان کے ادارے نے بہت سے ادارے بنائے ہوئے تھے جہاں ایسی خواتین کو ہنر سکھائے جاتے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوسکیں!

حمیرا کو بڑا اچھا لگتا جب وہ کسی مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرتی۔ وہ خاتون اس کی مشکور ہوتیں۔ اس کے ہاتھ چومتیں، مگر وہ اس سے ناآشنا تھی کہ کارِ خیر کی آڑ میں انسانی حقوق کے ڈھکوسلے میں معاشرتی اصلاح کی چادر میں ان نام نہاد اداروں میں، اسلامی اقدار کیسے پامال کیے جارہے تھے۔ اگر ایک شوہر، کبھی غصے یا جذبات میں، ایک بات ہی بیوی کو کہہ دیتا تو بیوی کو اتنا بھڑکایا جاتا جیسا کہ اس کے ساتھ کوئی انہونی ہوگئی ہو۔ اس کی ذات کی نفی ہوگئی ہو۔ اس کی حیثیت و اہمیت دو کوڑی کی ہو۔ اس کو انصاف دلانے کی بھرپور کوشش کی جاتی، اور یہ کوشش دراصل ''قیدِ نکاح'' سے آزادی کی ہوتی۔ مقصد یہ تھا کہ عورت اپنے پاؤں پر کھڑے ہوکر، شوہر سے علیحدہ ہوکر بااختیار زندگی گزار سکتی ہے۔ ساس سسر کی خدمت، بچوں کی پالن پوس، شوہر کے ہر حکم کی فرماں برداری، عورت کے ذاتی انسانی حق کو پامال کرتی ہے اور یہ سب کچھ اس خوب صورت انداز میں کیا جاتا کہ لوگ ایسے اداروں کو اپنا مسیحا سمجھنے لگتے۔

حمیرا آج کل ایسے ہی ایک کیس پر کام کررہی تھی۔ آمنہ کے شوہر نے دوسری شادی کرلی تھی، جو کہ آمنہ کی برداشت سے باہر تھا۔ آمنہ نے ایسے ادارے میں دستک دی۔

حمیرا کو اس سلسلے میں آمنہ کا مکمل بیان لے کر انٹرویو کی صورت دینا تھا اور ہر اس پوائنٹ کو ہائی لائٹ کرنا تھا جہاں آمنہ مظلوم دکھائی دے۔ حمیرا گھر پر رپورٹ تیار کررہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے چہرے کے زاویے بھی بدل رہے تھے۔ آمنہ کا شوہر فرحان، بڑا ہی برا آدمی تھا۔ غیر ذمے دار، لاپروا، شادیوں کا شوقین، عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھنے والا، غلام اور باندی بنا کر رکھنے والا، حالانکہ دیکھنے میں کافی سلجھا ہوا لگتا تھا، مگر اندر سے شیطانی صفت کا حامل۔ عورتوں کو ان کے حقوق دیں۔ ایسے مردوں کے خلاف کریک ڈاؤن کرنا چاہیے۔ ایسے مردوں کا حساب ہونا چاہیے، جو صرف شوق میں شادیاں کرتے ہیں اور ایک کے بعد ایک خاتون کے حقوق کی پامالی، کھلے عام مذہب کے نام پر کی جاتی ہے۔ یہ وہ خطرناک پروپیگنڈہ تھا جس پر اسے رپورٹ بنانا تھی۔

☆......☆

ادارے کا کام ہی تھا کہ ایسے نازک معاملات کو سوشل میڈیا پر، ناسمجھ عوام کے سامنے اچھالا جائے کہ عورت آزادی کے نام پر اسلام مخالف بل بآسانی پاس کروائے جاسکیں جن کا مقصد معاشرے میں سدھار تو ہرگز نہیں مگر نسلوں تک کے بگاڑ تک کی جڑیں مضبوط کرنا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

صبح وشام کی مسنون دعاؤں کو اپنے معمول میں لانے... اور حج وعمرہ کے اہم مسائل واذکار کو جاننے کے لیے دو تحفے

صبح وشام کی دعائیں مع منزل

★ دل ودماغ کو سکون پہنچانے والی مسنون دعائیں
★ صبح وشام مانگنے کی مستند دعائیں
★ ناگہانی آفات وحادثات سے بچنے کی دعائیں

حج وعمرہ کے ضروری مسائل

★ حج وعمرے کا آسان طریقہ
★ زیارتِ مکہ ومدینہ کے آداب
★ مقامِ عرفہ ومزدلفہ میں مانگی جانے والی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں

نوٹ: سفرِ حج کو قیمتی بنانے کے لیے دو کتابیں:
1۔ تعلیم الدعاء: جس میں سے ایک ایک دعا روزانہ یاد کرلی جائے۔
2۔ پانچ منٹ کا مدرسہ: جس میں سے ایک دن کی تعلیم روزانہ کرلی جائے۔
یہ دونوں کتابیں بھی درج ذیل نمبرات سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

خود بھی مطالعہ کیجیے اور متعلقین کو تحفے میں دے کر کتاب دوست بنائیے۔

بیت العلم (الوقف)
رابطہ نمبر: +92-309-2228089، +92-321-8566511 برائے تجاویز: +92-322-2583196
Visit us: www.mbi.com.pk maktabahbaitulilm

فضا میں لبیک کی صدائیں! (۲)

خولہ غضنفر اللہ

مختصر دعاؤں کے بعد خواتین کا اسلام کی لکھاری محترمہ عامرہ احسان کے لیے اتنی دعائیں کیں کہ دل مطمئن ہوگیا۔ اُن کے لکھنے نے مجھے کچھ کچھ انسان بنایا ہے۔ وہ اپنے قلم کی وجہ سے مجھے بہت عزیز ہیں۔ اللہ ان سے ایسا راضی ہو کہ جیسا ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راضی ہوا، اللہ تعالیٰ ان کا لکھا ہوا قبول کرے اور ان کے لیے سرمایۂ جنت بنا دے، آمین!

جس طرف سے میں کھڑی اپنی عرضیاں پیش کر رہی تھی، وہ پچھلا کونا تھا جہاں سے صرف سادہ، سیاہ و سنہری رنگ ہی نظر آ رہا تھا۔ حطیم، باب کعبہ اور حجرِ اسود کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس سیاہ رنگ کی نورانیت اور ہیبت نے مجھے زیادہ دیر اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہنے دیا بلکہ دعائیں مانگتے مانگتے میری پیشانی نے ٹھنڈے فرش کو جا چھوا۔

مجھے معلوم تھا کہ دعا پہلے اپنے لیے مانگی جاتی ہے، پھر باقیوں کے لیے مگر پتا نہیں میں وہاں بھول گئی یا پھر وہاں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین والے ایثار کی برکت موجود ہے کہ پہلے دوسروں کا خیال آتا ہے، پھر اپنے بارے میں سوچا جاتا ہے۔ خالہ زینب کا قرض تھا کہ انھوں نے پہلی نظر میں میرے لیے دعا مانگی تھی تو ان کی بتائی ہوئی تقریباً ساری درخواستیں پیش کیں۔

محمد فیصل شہزاد بھائی، آصف محمود قاسمی بھائی، ابوالحسن بھائی، فضیل فاروق بھائی، آپی جان ریحانہ تبسم فاضلی، عفت مظہر آپی اور ڈاکٹر مریم خالد مرحومہ میری پہلی دعا کا حصہ تھے۔ ایک اور صاحب بھی یاد تھے جنھوں نے ماضی قریب میں جیل سے خط لکھا تھا ان کا نام یاد نہ آیا تو اس عالم الغیب کے آگے ان کی عافیت والی جلد رہائی کی درخواست کی۔

قریبی رشتے داروں کے فرداً فرداً نام لے لے کر دعائیں کیں۔ سیاہ پوش نورانی مکان کے سامنے گناہوں کی کالی گٹھڑی کا سجدۂ شکر سے اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ کسی ضدی بچے کی مانند کہ یا اللہ! مجھ سے راضی ہو جا، تو مجھ سے روٹھا ہوا ہے میں منانے آئی ہوں۔

جب پشت پر تسلی کی تھپکی محسوس ہوئی تب میں اپنا نقاب سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ روی سے حجرِ اسود کی جانب بڑھتی گئی اور نیت کر کے بالکل سامنے آ کر اللھم ایمانا بک، بسم اللہ اکبر و للہ الحمد پڑھ کر، بغیر آواز کے دونوں ہاتھوں کو چوما اور کعبۃ اللہ کو دل والی طرف رکھتے ہوئے طواف شروع کر دیا۔

کہاں ہے ابوجہل جو دورانِ طواف تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ سالارِ حرم کی پیٹھ مبارک پر اوجھڑی ڈالنے والے عقبہ کا کوئی نشان کیوں نہیں نظر آ رہا؟ اسی حرم مبارک میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کلمے کی پاداش میں لہولہان کرنے والے دکھائی کیوں نہیں دیتے۔ مطاف میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرۂ مبارک پر اپنے دو تلوں والے جوتوں سے مارنے والا عتبہ جہنم کی کس گھاٹی میں اپنے زخم چاٹ رہا ہے؟

جاء الحق و زھق الباطل... دل پکار رہا تھا۔

صدیق اکبر کے اس واقعے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے اور اسلام کے عزت کے لیے عمر مانگا۔ دوسرے ہی دن مرادِ محمد، مریدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن کر حاضر ہوئے اور پھر حرم میں ٹولیوں میں بکھرے مشرکین کو جا جا کر اپنے اسلام کی خبر سنائی۔

میری روتی آنکھیں مسکرانے لگیں۔ ایک ایک قصہ تصویر بن کر پیش ہو رہا تھا۔ مسنون دعاؤں کا بھی اہتمام رکھا اور پندرہ بیس منٹ میں میرا پہلا طواف مکمل ہوگیا۔

مقامِ ابراہیم کی بالکل سیدھ میں آ کر واجب الطواف ادا کیے، پھر استلام کر کے زم زم پی کر مسعیٰ کی جانب چل دی۔

صفا پر پہنچ کر آنکھیں نم ہوگئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام صفا پہاڑی پر تھے تو آپ نے فرمایا:

"اے جبرائیل! اس ذات کی قسم جس نے تمھیں حق دے کر بھیجا ہے، شام کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل وعیال کے پاس نہ ایک مٹھی آٹا تھا نہ ایک مٹھی ستو۔"

آپ کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے آسمان سے دھماکے کی ایسی زوردار آواز سنی جس سے آپ گھبرا گئے۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ کیا اللہ نے قیامت قائم ہونے کا حکم دے دیا ہے؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: "نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات سنتے ہی اسرافیل کو حکم دیا اور وہ اتر کر آپ کے پاس آئے ہیں۔"

چنانچہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "آپ نے جو بات حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہی وہ اللہ تعالیٰ نے سنی اور اللہ نے مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں یہ پیش کروں کہ اگر آپ کہیں تو میں تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد، یاقوت، سونے اور چاندی کا بنا دوں اور یہ پہاڑ آپ کے ساتھ چلا کریں۔ اب آپ فرمائیں آپ بادشاہت والی نبوت چاہتے ہیں یا بندگی والی؟"

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو تواضع اختیار کرنے کا اشارہ کیا۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: "نہیں میں بندگی والی نبوت چاہتا ہوں۔"

بھرے پیٹ کے ساتھ صفا پر کھڑے ہونے والی امت کہاں اس کیفیت کو محسوس کر سکتی ہے؟ کبھی مالی تنگی اور کبھی معاشرتی مقاطعہ، کون سی ایسی آزمائش تھی جس میں آپ مبتلا نہ کیے گئے۔ آنکھوں کی نمی پونچھتے کعبے کو دیکھتے تکبیر و تہلیل کہی اور نیت کی، پھر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ (اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے نے تمام سرکش جماعتوں کو شکست دی۔) پڑھ کر قدم بڑھا لیے۔

میلین اخضرین (صفا مروہ کے درمیان کا وہ حصہ جو عمرہ یا حج کے دوران سعی کرنے والے حضرات ہلکی دوڑ کے ساتھ طے کرتے ہیں) پر کافی آسانی ہوتی ہے کہ وہاں رش کافی زیادہ چھٹ جاتا ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ پڑھتے میں اپنی چال میں ہی بڑھتی رہی۔ آہستہ آہستہ رش بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ آخری چکر مروہ پر ختم ہوا۔

بچپن کی حدود پار کرنے کے بعد زندگی میں پہلی بار ڈیڑھ انچ بال کاٹے۔ نقاب تبدیل کر کے دو نفل پڑھے اور صفا دروازے سے باہر نکل آئی۔ بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ باہر لگی ٹونٹیوں سے دو بڑی بوتل زم زم سمجھ کر بھر کر تھیلے میں ڈال لیں اور تقریباً رات ڈیڑھ بجے ہوٹل پہنچی۔

صبح آٹھ بجے ابو جی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور پہلا سوال ہی یہی پوچھا کہ فجر پڑھی ہے؟ حالانکہ گھر میں کبھی نہیں پوچھتے، کیونکہ پتا ہے کہ قضا نہیں کرتی۔

میں نے دوہری شرمندگی کا شکار ہو کر جواب دیا کہ ابو سچ میں جاگ نہیں پائی۔ ابو نے افسوس اور تھوڑے سرد لہجے میں کہا کوئی فائدہ نہیں ہے ایسے عمرے کا جس کی وجہ سے فرض نماز فوت ہو جائے۔ افسوس کے ساتھ قضا نماز ادا کی، اللہ سے معافی مانگی، پھر الحمدللہ اپنا معمول میں نے درست کر لیا کہ عشا کی نماز پڑھ کر ہی ہوٹل آ جایا کرتی۔

خیر وہ جمعے کا دن تھا، کل شبِ جمعہ کو پہلا عمرہ میں نے بخار کی حالت میں کیا تھا۔ صبح میں نے ابو سے پوچھا کہ اگر مروہ سے باہر نکلوں تو جلدی ہوٹل پہنچ جاؤں گی؟ ناخن کاٹتے ابا حضور نجانے کن خیالات میں بیٹھے تھے کہ انھوں نے ہاں کہہ دی۔ اسی روز ساڑھے دس بجے میں اپنے کمرے کی دو ساتھیوں سمیت حرم کی جانب روانہ ہوئی۔ ہوٹل کا دروازہ پار کرتے ہی لوگوں کا رش دیکھ کر معلوم ہو گیا کہ آج جمعہ ہے۔ اتنا جلدی جانے کے باوجود ہمیں 'فوق' کہہ کر اوپر بھیج دیا گیا کیونکہ صحن مطاف بھر چکا تھا۔ میرے بخار کی حدت بڑھتی چلی جا رہی تھی اور شرطے کہیں بیٹھنے ہی نہیں دے رہے تھے۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ میں زیادہ چل پاتی۔ رک رک کر چلتی رہی اور چل چل کر رکتی رہی۔ بالآخر اذان اول کا وقت ہو گیا۔ اذان نے تو گویا ایک دم سارا درد چُن لیا۔ جمعے کی دو اذانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد دلا دی۔ کسی بھی امام کی اقتدا میں آج میری پہلی نماز ادا ہونی تھی۔ میں نے اپنے بچپن میں اللہ سے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ شیخ عبدالرحمن السدیس کو تب تک فوت نہ کرنا جب تک میں ان کی مقتدی نہ بن جاؤں۔ اندازِ دعا بھی بچگانہ تھا۔ وقت گزرتا رہا اور پھر دعا میں شیخ سدیس کی جگہ شیخ ماہر المعیقلی اور شیخ حذیفی نے لے لی۔

شعور میں آ کر میں نے شیخ ماہر کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی خواہش اپنے رب کے حضور رکھی تھی۔ شیخ ماہر سے قرآنی نسبت اور شیخ حذیفی سے جذباتی اور نظریاتی نسبت تھی۔ اذان ختم ہونے کے پانچ منٹ بعد دوبارہ جسم درد سے چیخنے لگا۔ صدقے کی فضیلت پر خطبہ دیتے ہوئے شیخ روئے تو کچھ انداز سنا سنا سا لگا۔ نماز کے لیے صفیں برابر ہوئیں اور امام نے اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کی۔

ابھی انھوں نے الحمد کی پہلی آیت ہی پڑھی ہو گی کہ میری آنکھیں رواں ہو گئیں:

"یا اللہ! ایسی مہمان نوازی؟ مجھ گناہ گار کی خواہش کا اتنا اکرام؟ یا اللہ کہیں یہ استدراج نہ ہو، میں ایسی نعمتوں سے پناہ مانگتی ہوں جن کی وجہ سے میرے آخرت کے حصے کی کٹوتی ہو جائے۔"

میں قیام میں تھی اور دل سجدے میں تھا۔ بھلا شیخ ماہر کا قرآن پڑھتے ہوئے انداز اور آواز میں کیسے نہ پہچانتی؟

نماز مکمل ہوئی اور ہم باہر کی طرف چلنا بلکہ رینگنا شروع ہو گئے۔ کل تو لوگوں کا اتنا رش نہ تھا نجانے آج اتنے افراد کہاں سے آوارد ہوئے تھے۔

گرمی بھی آج غضب کی تھی۔ مسجد ام المؤمنین جانے کے لیے بس اسٹاپ پر پہنچے تو کسی منڈی کا سا سماں سامنے تھا۔ جن بسوں نے پانچ منٹ کے اندر اسٹاپ چھوڑ دینا تھا، تقریباً آدھا گھنٹہ انھیں نکلنے کے لیے جگہ ہی نہ ملی۔ ٹیکسیاں بھی ساری بھری ہوئی ملیں۔ اچانک ہی میری نظر تقریباً آدھ کلومیٹر دور ایک بس پر پڑی جس کی طرف دو مرد اور تین عورتیں دوڑتے نظر آئے۔ میں نے اپنی ساتھی خاتون کو کہا: "آنٹی! یہاں تو شام تک کھڑے رہیں تب بھی ناممکن لگ رہا ہے کہ بس میں جگہ مل جائے، کیوں نہ کوشش کریں اس دور کھڑی بس کی طرف جائیں شاید کہ وہ مسجد عائشہ جا رہی ہو۔"

آنٹی نے کہا کہ ہمارے پہنچنے تک وہ نکل جائے گی۔ میں نے کہا کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ میں نے: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ ضِیقِ الدُّنْیَا وَ ضِیقِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ پڑھ کر تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔

تمام مسافر سوار ہو جانے کے باوجود بس تقریباً پانچ سات منٹ کھڑی رہی۔ ہم جونہی سوار ہوئے۔ بس کے دروازے بند ہوئے اور بس نے سڑک پر دوڑنا شروع کر دیا۔ خشک حلق سے تروتازہ الحمدللہ کی صدا نکلی۔ (جاری ہے)

جھلک

بنت شکیل اختر۔ حیدرآباد

"آنٹی! آپ نے تو اپنے پوتے کو پچاس تک گنتی یاد کرا دی مگر ہماری اماں سے یہ نہیں ہوتا۔"

تانیہ نے تنک کر پڑوسن آنٹی سے کہا۔

"اس کا بیٹا نچلا بیٹھے تو پڑھاؤں نا۔"

اماں نے بھی عاجز ہو کر کہا۔

"لو الف ب کا قاعدہ سارا مجھ سے پڑھا ہے میرے پوتے نے، میں تو اس کو لے کر بیٹھ جاتی تھی، بہو کام کرتی رہتی تھی۔"

آنٹی نے اپنی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیے اور اماں شرمندہ شرمندہ سی سنتی رہیں۔

☆......☆

دو دن بعد تانیہ کی کزن آئی ہوئی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں اچانک تانیہ کی نو سالہ بیٹی رمشہ کہنے لگی:

"خالہ! ذرا اماں کو دیکھیں، میں تھک گئی ہوں! مجھ سے بولا نہیں جا رہا مگر نہیں تو بس مجھے پڑھانا ہے۔"

رمشہ نے اسی کے انداز میں کہا۔

"اور بابا کے ساتھ چلی جاتی ہیں، رول کھا کر آ جاتی ہیں۔"

تانیہ کی کزن نے فوراً ہی سرزنش کی مگر تانیہ کو ایک لمحے میں رمشہ میں اپنی جھلک نظر آئی جو ہر آئے گئے کے سامنے اپنے بڑوں پر نکتہ چینی کرتی رہتی تھی۔

"جاؤ جا کر باہر کھیلو، بڑوں میں نہیں بیٹھتے۔" اس نے رمشہ کو ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر چھوڑا۔

لیکن اندر کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ تربیت کی ضرورت بچی کو نہیں تمھیں ہے۔ وہ تمھی سے سیکھ رہے ہیں، تمھاری نقل کر رہے ہیں اور تمھیں وہی لوٹا رہے ہیں جو تم اپنے بڑوں کو دے رہی ہو۔

رات گئے وہ رمشہ کو سمجھا رہی تھی: "بیٹا، دادی کا ادب کرو! وہ بزرگ ہیں، ان کا کہنا سنا کرو۔"

مسجد تو بنادی شب بھر میں!

عذرا نام

مجھے آج تک یاد ہے کہ کالج ٹائم میں جس گروپ میں میں ہوتی تھی بہت سی لڑکیاں اردگرد جمع رہتی تھیں، کیونکہ کوئی فلمی گانا ایسا نہ تھا جو مجھے نہ آتا ہو۔ لطیفے سنانا میرا مشغلہ ہوتا تھا۔ ہمارے گروپ کے قہقہے پورے کالج میں گونجتے تھے۔ کالج میں ہر اسٹیج پر ہمارا گروپ نظر آتا تھا۔ اگر کسی دوست کی یا کزن کی شادی ہوتی تو میں جلدی جلدی اس پر گیت لکھ لیتی۔ کوئی ٹیچر ٹرانسفر ہوتا تو الوداعی نغمہ میں لکھتی، پھر محفل میں جھوم جھوم کر گاتی کیونکہ آواز میری اچھی تھی۔ حتیٰ کہ میں نے اپنی شادی پر بھی خود گانا لکھا۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد بھی دل میں موجود رہتی۔ دو تین نمازیں پڑھ لیتی تھی اور نعتیں بھی خوب پڑھتی تھی، جس محفل میں نعت پڑھتی وہاں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کو گانا بھی آتا ہے اور جب ڈھولک پر گیت گاتی تو کوئی یقین نہیں کر پاتا تھا کہ یہ لڑکی اچھی نعت خواں بھی ہے۔

خیر اسی طرح مکس اچار زندگی گزرتی رہی۔ سروس شروع کرلی، شادی ہوئی، بچے ہوئے تو سارا شاعری کا بھوت اتر گیا۔ اسکول، گھر، بچے، سسرال ان سب میں کچھ اس طرح سے الجھی کہ سب کچھ بھول بھال گئی۔

1995ء میں ہم ٹیچرز کا ریفریشر کورس جوہر آباد کالج میں تھا، میں جب بھی کورسز ہوتے بہت خوش ہوتی کیونکہ کورسز میں میرے من پسند مشغلے دوبارہ شروع ہوجاتے اور مجھے ایسا لگتا جیسے کالج کا زمانہ لوٹ آیا ہو۔

مگر اس کورس میں میرے ساتھ ایک انوکھا واقعہ پیش آیا۔ اس کالج میں ایک ٹیچر درس قرآن کا پیریڈ لیتی تھیں انھوں نے ہمیں بتایا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ عمل چاہے بہت تھوڑا ہو مگر اخلاص سے کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے مگر بڑے سے بڑا عمل جو اخلاص سے خالی ہو وہ بیکار ہے۔

اچھی باتیں آپ کے جسم میں اچھائی کی لہریں پیدا کرتی ہیں اور بُری باتیں برائی کی لہریں۔ اگر دین کی بات سن کر آپ کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں تو سمجھ لیجیے کہ ہم میں ایمان موجود ہے بس اسے تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔

بری لہریں کس طرح پیدا ہوتی ہیں میں آپ کو سمجھاتی ہوں۔ مثال کے طور پر آپ بس میں سفر کررہی ہیں۔ کوئی شخص آپ کو غلط نیت سے مَس کرتا ہے تو آپ کے پورے جسم میں ایک کرنٹ سا پیدا ہوگا آپ کو محسوس ہوگا کہ اس آدمی کی نیت ٹھیک نہیں ہے، مگر غلطی سے کسی دوسرے مسافر کا بیٹھتے ہوئے ہاتھ لگ جائے تو کرنٹ پیدا نہیں ہوتا۔

میری بہنو! ہم سب مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھانے کے لیے قرآن جیسی مکمل کتاب دی ہے جو قیامت تک ہماری راہنمائی کرتی رہے گی مگر ہم پورا پارہ پڑھتے ہیں چومتے ہیں آنکھوں سے لگاتے ہیں اور اونچی جگہ رکھ دیتے ہیں۔ خوش ہوکر کہتے ہیں کہ پورا پارہ پڑھ لیا ہے۔ بے شک تلاوتِ قرآن بھی بہت بڑی سعادت ہے اور بڑے ثواب کا کام ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارا رب ہم سے کیا چاہتا ہے؟ اس کی ہمیں جستجو ہونی چاہیے۔ اس لیے میری عزیز بہنو!

اللہ کے قرآن کو سمجھ کر پڑھو، دل لگا کر پڑھو، اپنے دل میں خوفِ خدا پیدا کرو، پھر تمھیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت خود بخود محسوس ہوگی۔

یہ باتیں سن کر میں تو ہل کر رہ گئی کہ واقعی کتنی جاہل ہوں میں۔ میں نے تو یہ بات کبھی سوچی ہی نہیں۔ گھر آتے ہی میں نے قرآن کی تلاوت کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ کی آسان تفسیر بھی پڑھنی شروع کردی، اور میرا دل خود بخود اللہ رب العزت کی طرف جھکنے لگا۔ سارے ڈائجسٹ وغیرہ چھوٹ گئے، مگر میری بدنصیبی کہ نماز پانچ وقت کی پابندی ابھی بھی نہ ہوسکی، پھر وہی تین نمازیں اور بس۔ علامہ اقبال کا شعر ہے

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی تھا برسوں میں نمازی بن نہ سکا

2002ء میں ایلمینٹری کالج شاہپور صدر میں ریفریشر کورس شروع ہوا۔ اس کالج میں بھی درس قرآن کا پیریڈ ہوا کرتا تھا۔ جس جگہ بھی دین کی بات ہوتی میں بڑے غور سے سنتی کہ مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمادے۔

ایک دن کالج کی ایک پروفیسر صاحبہ نے کلاس سے عجیب سا سوال کیا:

''کیا آپ مسلمان ہیں؟''

ٹیچرز نے کہا جی ہاں! کچھ ٹیچرز نے برا سا منہ بنا کر کہا کہ کیا ہم مسلمان نظر نہیں آتیں؟

انھوں نے ایک اور سوال کردیا: ''کیا آپ خدا پر مکمل یقین رکھتی ہیں؟''

ہم نے کہا ''کیوں نہیں، ہم سب ماشاءاللہ مسلمان ہیں اور اللہ پر ہی یقین اور بھروسا رکھتی ہیں۔''

پھر پروفیسر صاحبہ نے کہا: ''بہنو! ہم نسلاً مسلمان ہیں، ہمارا اللہ پر ایمان ہے مگر پختہ یقین نہیں ہے۔ میں آپ کو مثال سے سمجھاتی ہوں۔''

انھوں نے بجلی کی تاریں ننگی کیں اور ہم سب سے کہا کہ جو اسے ہاتھ میں پکڑے گا اسے ایک کروڑ انعام ملے گا مگر ساٹھ کی تعداد میں سے کسی ٹیچر کو جرأت نہ ہوئی کہ ننگی تاروں کو ہاتھ لگاتی۔

آپ کو سو فیصد اس بجلی پر یقین ہے کہ یہ آپ کو ماردے گی مگر اللہ

لبیک لبیک

مظفر حنفی

تنکوں کے ارمان لبیک لبیک
طوفان طوفان لبیک لبیک
بے دست و پا میں بے دست و پا تو
جنگل بیابان لبیک لبیک
وحشت کی بستی کوتاہ دستی
میرا گریبان لبیک لبیک
آزاد دیدہ مردم گزیدہ
آئینہ حیران لبیک لبیک
تتلی شگوفے جگنو ستارے
سب تیری پہچان لبیک لبیک
اونچا ہوا سر نیزہ بہ نیزہ
یاروں کا احسان لبیک لبیک

☆☆☆

تعالیٰ پر ایسا یقین نہیں ہے کہ وہ ہمیں ہر آن ہر گھڑی دیکھ رہے ہیں۔ اگر ہمیں یہ یقین نصیب ہو گیا تو بُرے کام خود بخود چھوٹ جائیں گے۔

اب بھی وقت ہے ہم اپنے رب کو منالیں، اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی غفور و رحیم ہے، بندہ جب بھی توبہ کرے وہ قبول کرنے والا ہے، ہاں! نماز کسی صورت معاف نہ ہوگی، اس لیے آج سے نماز کا اہتمام شروع کردیں اور جو پچھلی قضا ہوگئی ہیں ان کی قضا پڑھ لیجیے۔‘‘

اس دن میں نے اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرلی اور پانچ وقت کی نماز پڑھنے لگی مگر زبان پر گانے کی عادت تھی وہ نہ جاتی، اٹھتی بیٹھتی گاتی رہتی اور رب سے شرمندہ ہوتی، پھر میں نے اپنے رب سے رو رو کر دعائیں مانگنا شروع کردیں کہ اے میرے رب! مجھے گانے کی عادت ہے، میری یہ عادت نہیں جاتی، اے میرے رب میں کیا کروں مجبور ہوں، اے میرے رب میرے بس میں نہیں ہے، میں بے بس ہوں، میری مدد فرما، میرے اللہ! مجھے نیکی کی توفیق عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ نے میری فریاد سن لی اور ایک دن میں نے نعت بحضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھی۔ سب گھر والوں اور سہیلیوں کو بہت پسند آئی پھر ذہن خود بخود ڈھلتا گیا جو قلم گانے لکھتا تھا، اب نعتیں لکھنے لگا۔ نعتوں کے علاوہ حمد باری تعالیٰ بھی بے شمار لکھی۔

جب اللہ کی تعریف لکھی تو گانے چھوٹ گئے۔ اب اٹھتے بیٹھتے اپنی نعتیں پڑھتی ہوں۔ میری نعتوں کی تعداد اب پچاس تک ہوگئی ہے مگر یہ سلسلہ رُکا نہیں ہے، ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ اللہ رب العزت مجھے اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی برکت سے عمرے پر لے گیا۔ رب کا گھر دیکھا تو دل کسی اور انداز سے دھڑکنے لگا۔ اب مجھے صرف وہ لوگ اچھے لگتے ہیں جو صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں کرنا اور سننا پسند کرتے ہیں۔

میرا اس تحریر کے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اور جہاں کہیں بھی اللہ اور اس کے رسول کا ذکر ہو رہا ہو وہاں ضرور جائیں۔ ایسی محفلوں میں شرکت اس لیے ضروری ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کی کوئی ایک بات کسی دوسرے انسان کی زندگی کا رخ موڑ دے اور وہ دین کی طرف پلٹ آئے۔ ☆☆☆

احمد حاطب صدیقی

ہم تو چلے سسرال

اچھی خاصی بیاہتا زندگی گزار دینے کے بعد بھی اب تک اسی دُھن میں سرگشتہ و درماندہ پھر رہے ہیں کہ لفظ سسرال مذکر ہے یا مؤنث؟

نور اللغات لکھنؤ کی نمائندہ ہے، اس میں مؤنث اور فرہنگِ آصفیہ دہلی کی نمائندہ ہے، اس میں مذکر ہے۔ حضرت دریابادیؒ نے اپنی آپ بیتی میں سسرال کو مؤنث استعمال کیا ہے۔

حضرت عبدالماجد دریابادیؒ بھی تو لکھنؤ ہی کے تھے۔ اُن کی سسرال کیسے مذکر ہوسکتی ہے؟ مؤنث ہی ہوگی۔ اب رہا یہ معاملہ کہ دلی والوں کا سسرال مذکر ہوتا ہے تو اس قضیے کا حل مرزا اسداللہ خان غالبؔ دہلوی سے معلوم کیے لیتے ہیں۔

دہلی میں رتھ کو بعض لوگ مؤنث اور بعض مذکر بولتے تھے۔ کسی نے مرزا سے پوچھا:

”حضرت رتھ مؤنث ہے یا مذکر؟“

حضرت نے جواب دیا: ”بھیا! جب رتھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو مؤنث کہو اور جب مرد بیٹھے ہوں تو مذکر سمجھو۔“

مگر یہاں قاعدہ اُلٹ جائے گا۔ عورتوں کا سسرال مذکر ہوگا اور مردوں کی سسرال مؤنث۔ خیر، سسرال کو آپ مؤنث قرار دیں یا مذکر گردانیں یہ معاملے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کہہ مگر عورتوں کا میکا لکھنؤ اور دلی دونوں جگہ مذکر ہے، مذکر تھا اور مذکر رہے گا۔ شاید ایسے ہی موقعے پر کہا جاتا ہے کہ ”زبردست کا ٹھینگا سر پر“

اردو میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کی تذکیر اور تانیث میں اہلِ زبان کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے۔ سسرال کو ہمارے تمدن میں ویسے بھی اختلافات کا گڑھ سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اگر سسرال کی تذکیر و تانیث میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ سسرال یوں تو خاوند یا بیوی کے گھر اور خاندان کو کہتے ہیں، مگر مجازاً یا کنایتاً جیل اور قید خانے کو بھی سسرال کہا جاتا ہے۔ کوئی کسی وجہ سے ’’اندر‘‘ ہوجائے تو اشارتاً بتایا جاتا ہے کہ ”سسرال گئے ہیں۔“

اگر کوئی شخص مفرور ہو یا غائب ہوجائے تب بھی یہی کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں کچھ سیاسی رہنما بھی ایسے گزرے ہیں جو اپنی حقیقی سسرال کے سبب مجازی سسرال جا پہنچے یہ کہتے ہوئے کہ ”ہم تو چلے سسرال!“

برصغیر میں بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اگر کوئی داماد اپنی سسرال میں ڈیرے ڈال دے اور سسر کی روٹیوں پر پلتا رہے۔ ایسے شخص کے لیے اُردو میں بہت برا محاورہ ہے۔ اسے ”سسرال کا کتا“ کہا جاتا ہے۔

سسرال ساس یا سسر سے بنتی (یا بنتا) ہے۔ جب تک ساس ہے تب تک آس ہے۔ محاورہ پوچھتا ہے: ”ساس بن کیسی سسرال؟“

ساس کو ’خوش دامن‘ بھی کہا جاتا ہے، نجانے کس خوشی میں یا کس خوش فہمی میں مگر سسر بے چارا خسر کے سوا کوئی خوش کن نام نہ پاسکا۔ ایران کے جو بادشاہ ’خسرو‘ کہلاتے تھے، وہ خسرو کیوں کہلاتے تھے؟ یہ معاملہ تحقیق طلب ہے۔ دیکھیے خسروانِ لسان کیا فیصلہ کرتے ہیں، البتہ ’سالا‘ جو ہمارے ہاں گالی بلکہ ’گالا‘ بن گیا ہے، ایران میں ’خسر پورہ‘ کہلاتا ہے یعنی خسر کا پوت۔ مراد یہ کہ ’ایں ہم بچۂ شتر است‘ (یہ بھی اونٹ کا بچہ ہے)!

قصہ مشہور ہے کہ ایک جنگل میں اونٹ پکڑے جا رہے تھے۔ ایک لومڑی نے یہ ماجرا سنا تو بدحواس ہوکر بھاگنے لگی۔ اُسے بھاگتے دیکھ کر ایک بندر نے پوچھا: ”خالہ! تم کیوں بھاگ رہی ہو؟“

لومڑی بولی: ”میرے بھانجے! مجھے ڈر ہے کہ کہیں اونٹ پکڑنے والے مجھے بھی یہ کہہ کر نہ پکڑ لیں کہ ایں ہم بچۂ شتر است۔“

گویا اہلِ فارس بھی ’سالے‘ کو یہ کہہ کر دوڑاتے پھرتے ہیں کہ ’ایں ہم بچۂ خسر است‘۔

***

گھبرانا نہیں ہے!

عائشہ تنویر

سیانے کہتے ہیں، یہ مت دیکھو کون کہہ رہا ہے، یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے۔ اسی لیے جس دن ہم نے یہ جملہ سنا کہ ”گھبرانا نہیں ہے“ تو فوراً اپنے پلو سے باندھ لیا۔ ڈپریشن اور ٹینشن سے بچاؤ اور صحت مند رہنے کے لیے گھبراہٹ سے پرہیز ہی بہتر ہے۔

اب دیکھیے ناں، ہمارے گھر میں دو دو گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ تین بار بھی ہو تو ہم امی کے ساتھ مل کر ”کے الیکٹرک“ کو برا بھلا کہنے کے بجائے انھیں سمجھاتے ہیں کہ

”امی! یہ لوڈ شیڈنگ ہمارے فائدے کے لیے ہی تو ہے۔ بھئی بجلی نہیں ہوتی ہے، اسی لیے تو ہمارے حبس زدہ گھر میں مہمان بھی نہیں آتے اور مہمان داری کا خرچ بچتا ہے۔ پھر شاید بجلی نہ ہونے سے بجلی کا بل بھی کچھ کم آ جائے۔ بجلی کے بل سے پیسے بچیں گے تو ہی گھر کے خرچے پورے ہوں گے۔ اس کے علاوہ آئے دن فریج کا سامان خراب ہونے کی وجہ سے آپ اب رزق کی قدر کرتے ہوئے اتنا ہی پکاتی ہیں، جو استعمال ہو جائے، پھر بھی کچھ بچ جائے تو فریج میں رکھنے کی بجائے دل کھلا کر کے محلے میں بانٹ دیتی ہیں۔ دین و دنیا کے یہ فائدے آپ کو لوڈ شیڈنگ کے طفیل ہی تو حاصل ہو رہے ہیں......!“

لیکن نجانے کیا ہوا کہ ہماری تقریر سن کر قائل ہونے کی بجائے امی کے غصے کا رخ کے الیکٹرک بجائے ہماری طرف مڑ گیا۔ خیر، ہمارا تو گھبرانے سے پرہیز ہے سو گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہ ہوئے۔

ابھی کل پرسوں کی بات دیکھیں، پٹرول مہنگا ہوا تو ہر طرف ہنگامہ مچ گیا۔ سب حکومت کو برا بھلا کہنے لگے، گویا پٹرول نہ ہوا آکسیجن ہو گئی جو زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے۔ حالانکہ یہ شکر کا مقام ہے۔ اس پر حکومت کو خراج تحسین پیش کیا جانا چاہیے کہ ایسے ملک میں جہاں پینے کا پانی بھی مہنگے داموں خریدنا پڑتا ہے، ہمیں آکسیجن کسی ٹیکس کے بغیر دن رات مفت فراہم کی جاتی ہے۔ جبکہ حکومت نے تو پٹرول بھی صرف اس لیے مہنگا کیا ہے کہ ڈاکٹروں کی ہدایات نظر انداز کر کے کوئی پیدل چلنے کو تیار ہی نہیں ہوتا ہے۔ ذیابیطس میں ملک دنیا بھر میں پہلے نمبر میں آ گیا ہے، دل کے امراض بھی بڑھتے جا رہے ہیں اور کسی کو اپنا طرزِ زندگی بدلنے سے دلچسپی ہی نہیں ہے۔ آخر صحت مند طرز زندگی کی بنیاد کیا ہے؟ سادہ خوراک اور جسمانی مشقت۔ اب اگر عوام کو اپنی زندگی عزیز نہیں تو کیا ہوا؟ حکومت کو تو عوام دل و جان سے عزیز ہیں۔ عوام نہیں ہوں گے اور وہ کمائیں گے نہیں تو ہماری اشرافیہ اگلا ٹیکس بھلا کس پر لگائے گی؟ بس یہی وجہ تھی کہ اشیائے خورد و نوش اس قدر مہنگی کر دیں کہ عوام کم کھائے اور گھر کا بنا ہوا ہی کھائے۔ گھی کی قیمت تو یوں بڑھائی کہ تلی ہوئی اشیا کھانے کا اب کوئی سوچتا بھی نہیں ہے۔ جو پہلے اپنی جان کے دشمن بنے کبھی ساون تو کبھی افطار کے نام پر پوڑے، پکوڑے تلنے کے لیے کڑاہی چڑھا لیتے تھے، اب وہ بھی صحت کی وجہ سے تو نہیں مگر حکومت کی اس پالیسی کی وجہ سے پرہیز ہی کرتے نظر آتے ہیں۔

خیر کچے کام تو کبھی ہمارے حکمرانوں نے بھی نہیں کیے۔ اسی لیے گیس لوڈ شیڈنگ شروع کر دی ہے کہ کبھی کوئی زبان کے ذائقے سے بے تاب ہو بھی جائے تو کچھ پکانے کے لیے چولھے میں گیس ہی نہ ہو۔ پھر جن لوگوں کے پاس زیادہ ہی پیسہ ابل رہا ہے کہ اپنی محنت کی کمائی ریاست کو دینے کے بجائے بازار سے کھانے منگوا کر خرچ کر دیتے ہیں۔ یہ ٹیکسز میں اضافہ بھی محض ان کے لیے کیا گیا ہے تاکہ عوام بار بار فاسٹ فوڈ کھا کر اپنی صحت کی دشمن نہ بنیں اور اگر کھا بھی لیں تو حکومت تک ان کا حصہ ضرور پہنچ جائے۔

اب یہ تو آپ جان ہی گئے ہوں گے کہ پٹرول مہنگا کرنے کے ساتھ پبلک ٹرانسپورٹ کی عدم فراہمی کے پیچھے بھی یہی کلیہ ہے کہ لمبے لمبے فاصلے پیدل طے کریں اور صحت مند رہیں۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو سائیکل لے لیں بھئی، پٹرول فری سواری ہے۔ بزرگ کہتے ہیں کہ کھایا پیا جان کو لگے، اس کے لیے یہ چہل قدمی اور سائیکلنگ بہت ضروری ہے۔ یہ جم وغیرہ تو امیروں کے چونچلے ہیں۔ ہماری عوام دوست حکومت ہمیشہ غریبوں کا سوچتی ہے۔

روزانہ یہی بات ہوتی ہے کہ ملک میں روزگار کی کمی ہے، ہزاروں لوگ ڈگریاں ہاتھ میں لیے نوکری کے انتظار میں بیٹھے ہیں لیکن عوام کو حل سے کیا مطلب، وہ تو بس گھبرا گھبرا کو سرکار کو برا بھلا کہے جاتی ہے۔ آخر سرکار نے ہی اس مسئلے کا حل نکال۔ اب تعلیمی اداروں کی فیسیں اس قدر زیادہ ہیں کہ نہ کوئی ادا کرے گا، نہ ڈگریاں لے کر بیروزگار بیٹھے گا۔

مزید روزگار پیدا کرنے اور عوام کی خدمت کے خیال سے ہی حکومت نے پتنگ کی تلوار مار کہ ڈور بنانے والوں کے خلاف آپریشن نہیں کیا۔ بھئی جس کا روزگار لگا ہے، لگا رہے۔ چار لوگ مر بھی گئے تو کیا، آخر دنیا فانی ہے۔ سب ہی نے ایک دن جانا ہے۔ ان کے خلاف آپریشن ہو جاتا تو بائیک کی سیفٹی راڈ بنانے والوں کا کاروبار کیسے چلتا، مگر ناشکری عوام نجانے کیوں اسے انتظامیہ کی لاپروائی گردان رہی ہے!

غرض لوگوں کا تو ہر بات پر رونا ہے، جدھر دیکھو سب چلا رہے ہیں مہنگائی ہو گئی، مہنگائی ہو گئی لیکن اس دور میں بھی ہم ہی ہیں جو گھبرانے کی بجائے مثبت سوچ رہے ہیں۔ بھئی یہ مہنگائی یونہی نہیں ہو گئی بلکہ یہ ہمارے لوگوں میں اتفاق محبت پیدا کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ گھروں کے کرائے اور قیمتیں روز بروز بڑھ رہے ہیں، اس لیے اب چھوٹی چھوٹی بات پر بہوئیں ناراض ہو کر الگ گھر کا مطالبہ نہیں کرتیں بلکہ گھر کا خرچ پورا کرنے کے لیے میاں بیوی مل کر کام کرتے ہیں تو ایک دوسرے کا احساس بھی رہتا ہے۔ اب تو لوگ ناراض ہونے کی بجائے اپنے بیرون ملک مقیم رشتے داروں سے بھی تعلقات اچھے رکھتے ہیں تاکہ وہ کسی طرح وہاں بلا لیں۔ آخر اتفاق و محبت کا یہ دور ہماری حکومت کی دن رات کی محنت ہی کا نتیجہ ہے۔ سو کچھ بھی ہو جائے بس آپ نے گھبرانا نہیں ہے۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں!

امام غزالی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

تمام اہل معرفت نے یہ بات جان لی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ان کے تمام اعمال دیکھ رہا ہے اور وہ لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہیں اور ان سے ذرے ذرے کا حساب لیا جائے گا۔ چنانچہ اہل اللہ کو یہ یقین حاصل ہے کہ آخرت کے خطرات اور ہولناکیوں سے نجات اور بچ نکلنے کا واحد راستہ یومیہ اعمال کا محاسبہ اور سچے دل سے مراقبۂ موت ہے اور ہر حال میں اپنے نفس کے جائز و ناجائز مطالبات پر غور کرنا، پھر جائز باتوں کو اختیار کرنا اور ناجائز کاموں سے بچنا ہے۔

نام نہ پتا

پانی اور سرف کی بچت

آج کل تو عام واشنگ مشینوں کی جگہ جدید واشنگ مشینوں نے لے لی ہے جو خود بخود کپڑے دھو کر سکھا بھی دیتی ہیں لیکن ابھی بھی بہت سارے ایسے گھرانے موجود ہیں، جہاں عام واشنگ مشینوں کا استعمال ہو رہا ہے۔

دھلائی کے دوران عموماً دو سے تین ٹب یا بالٹی کا استعمال ہوتا ہے۔ اگر وہ ٹب تھوڑے بڑے سائز کے ہوں تو پانی کا استعمال کافی حد تک کم ہو جاتا ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ شروع ہر برتن میں آدھا یا اس سے بھی کم پانی بھرا جائے اور ہر دفعہ کپڑے ایک ایک ٹب میں باری باری دھو کر اگلے ٹب میں منتقل کرتے جائیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے دو ٹب تو واپس واشنگ مشین میں ڈال دیے جانے کے لائق ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پانی میں سرف بہت ہوتا ہے جسے گرانا مجھے تو بہت زیادہ شاق گزرتا ہے۔ یعنی ٹب میں واشنگ مشین سے کپڑے دھل کر نچوڑ کر پہلے ٹب میں ڈالے، اس میں اچھی طرح کھنگال کر دوسری اور پھر بالترتیب اس سے اگلی بالٹی یا ٹب میں منتقل کرتے جائیں۔ کپڑے آخری ٹب میں چلے جائیں تو پہلا ٹب جس میں کافی سرف ہوگا، واشنگ مشین میں پلٹ دیجیے۔

واشنگ مشین میں شروع میں پانی اتنا نہ بھریں کہ گنجائش ہی باقی نہ رہے، اب وہ ٹب جو خالی ہو گیا ہے تو اس میں تازہ پانی بھر لیں۔

ان چار ٹب کی منتقلی کے بعد کپڑے عموماً دھل کر صاف ہو جاتے ہیں پھر واشنگ مشین سے دوسرا پور آجاتا ہے۔ پھر سے بالترتیب پہلے اور دوسرے پھر تیسرے ٹب میں نتھار کر کپڑے آخری ٹب تک پہنچیں گے۔ پہلے ٹب کا سرف والا پانی پھر واشنگ مشین میں اور اس ٹب کو پھر تازہ پانی سے بھر لیں۔

اس طرح آپ دیکھیں گی کہ آپ کے تین پور دھل چکے ہیں اور پانی کا ایک قطرہ بھی نالی میں بہایا نہیں گیا۔ بعض اوقات تو چار پور واشنگ کرنے تک بھی ایک ٹب بھی پانی گرانے کی نوبت نہیں آتی۔

عموماً ایک ہفتے کے کپڑوں میں بمشکل پانچ سے چھ پور ہی کپڑوں کے ہوتے ہیں اور واشنگ مکمل ہو جاتی ہے۔ (اگر ایکسٹرا بیڈشیٹس وغیرہ نہ ہوں تو)۔

البتہ جن بہنوں کے بچے چھوٹے ہیں یا پھر لاپروائی سے پیشاب یا اور گندگی کے چھینٹوں کا خیال نہیں رکھتے یا ویسے بھی مٹی وغیرہ زیادہ لگی ہو تو ان کپڑوں کو واشنگ مشین میں ڈالنے سے پہلے ہی ٹونٹی کے نیچے کھنگال لیجیے۔ اس سے نہ صرف پاکی کے لیے تسلی ہو جائے گی بلکہ مٹی بھی دھل کر نکل جائے گی اور واشنگ مشین کا سرف دیر تک میلا نہیں ہوگا۔ سرف اور پانی دونوں کی بچت کے ساتھ لیجیے دو سے تین گھنٹوں میں آپ کی دھلائی مکمل ہو چکی ہے۔

☆☆☆

1987ء سے خدمت میں مصروف

پُھلبھری، برص

LEUCODERMA-VITILIGO

تمام جِلدی بیماریوں کا مؤثر اور بے ضرر علاج

STEROIDS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT

سفید داغ قابلِ علاج مرض ہے

ایوارڈ یافتہ' ممتاز معالج اجمل زیدی کے صاحبزادے

اقدس زیدی

(ماہرِ برص)

کے دورۂ پاکستان کا مستقل پروگرام

کراچی قیام: 1 مارچ تا 10 مارچ، 1 جولائی تا 10 جولائی، 1 نومبر تا 10 نومبر
فارچون سنٹر آفس نمبر 706 ساتویں منزل شارع فیصل نرسری بالمقابل K.F.C کراچی
موبائل: (0300)8566188

ملتان قیام: 12 مارچ تا 17 مارچ، 12 جولائی تا 17 جولائی، 12 نومبر تا 17 نومبر
ہوٹل سلور سینڈ، ریلوے روڈ نزد چوک عزیز ہوٹل، ملتان
موبائل (0300)8566188

لاہور قیام: 11 فروری تا 20 فروری، 11 جون تا 20 جون، 11 اکتوبر تا 20 اکتوبر
مدینہ ٹاور، آفس نمبر 512 پانچویں منزل، مسلم ٹاؤن موڑ، فیروز پور روڈ، بالمقابل جامعہ اشرفیہ لاہور
0300-8566188

اسلام آباد مستقل پتہ: 25 مارچ تا 25 مئی، 25 جولائی تا 25 ستمبر، 25 نومبر تا 25 جنوری
مکان نمبر 62 سٹریٹ نمبر 20 سیکٹر G-8-1 تعلیمی چوک (سریا چوک) اسلام آباد
موبائل: (0300)8566188

leucodermatreatment@outlook.com

Haft Roza "Khawateen Ka Islam" Regd.No:MC1437

ٹرسٹ کو دیے جانے والے تمام عطیات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں

پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ

PAK AID WELFARE TRUST

قربانی Qurbani

1445ھ / 2024ء

500-US$	35,000	30,000	20,000	16,000
گائے في حصه / دنبه يا بكرا	روپے في قرباني	روپے في قرباني	روپے في حصه	روپے في حصه
	بکرا اعلیٰ	بکرا اوسط	گائے اعلیٰ	گائے اوسط

غزہ فلسطین میں قربانی کیجیے

قربانی کا گوشت پاکستان کشمیر اور گلگت بلتستان کے غریب مستحق افراد کے ساتھ ساتھ ٹن پیک کے ذریعے غزہ فلسطین کے مظلوم مسلمانوں تک بھی پہنچائیے

قربانی کی رقم کم ہونے کی صورت میں ادارے کی طرف سے تبرع کیا جاتا ہے جبکہ زیادہ کی صورت میں بقیہ رقم دوسرے رفاہی مصارف میں خرچ کی جاتی ہے

قربانی کے شرکاء کے لیے جدید ایپلیکیشن کی مدد سے تمام مراحل سے آگاہی کا انتظام

نوٹ

پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ بینک اکاؤنٹ میں رقم ڈیپازٹ کرنے کے بعد رسید کے حصول اور مد کے تعین کے لیے

+92-3000509840

پر واٹس ایپ یا کال کرکے مطلع فرمائیں۔ شکریہ

ہیڈ آفس: آفس نمبر 4 سیکنڈ فلور، MB سٹی مال پلازہ 8-1 مرکز اسلام آباد
+923000509840

لاہور آفس: UG-64 ایڈن ٹاور، مین بلیووارڈ، گلبرگ، لاہور
+923000509838

اسلام آباد آفس: چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری، E.D.C بلڈنگ تیسری منزل موو ایریا سیکٹر G-8/1
+923105332640

پشاور آفس: آفس نمبر 1091، بالمقابل جی پی او مرکزی صدر روڈ پشاور کینٹ
+923105332632

کراچی آفس: شاپ نمبر 4، پلاٹ نمبر سی 6، سٹریٹ نمبر 10، بدر کمرشل، فیز 5 ایکسٹینشن، ڈیفنس کراچی
+923000509833

راولپنڈی آفس: لوور گراؤنڈ فلور ہال، پلازہ نمبر 136، سوک سینٹر، فیز 4، بحریہ ٹاؤن، راولپنڈی
+923105332633

کراچی آفس: شاہ ہیون 1/45 میزانائن فلور، مین چورنگی محمد علی سوسائٹی کراچی
+923000509836

راولپنڈی آفس: شاپ نمبر AA 740,741 ہملٹن روڈ، راجہ بازار، راولپنڈی
+923105332631

قربانی کے لیے آن لائن بینکنگ کی سہولت دستیاب

Bank :	Account Title :	A/C Number :
FAYSAL BANK	Pak Aid Welfare Trust	3048301900220720
Swift Code :	IBAN Number :	
FAYSPKKA	PK28FAYS3048301900220720	

www.pakaid.org.pk | info@pakaid.org.pk | +92300-050 9840 | follow us on | pak aid welfare trust